تبلیغ ودعوت کی حکمت عملی اور اعتدال پسندی
تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں

مفتی عظمت اللہ بنوی
نگران شعبۂ تصنیف وتالیف ورکن المجلس الفقہی التحقیقی
مدیر التحریر البحوث الاسلامیہ (عربی)
مدیر مسؤل المباحث الاسلامیہ (اردو)، جامعہ المرکز الاسلامی، بنوں صوبہ سرحد

Mufti Azmatullah Benvi.

ABSTRACT

In this short article, firstly, the literal and conceptual meanings of preaching and invitation have been illustrated in the light of Quran-e-Karim, secondly, the fifteen principles, the line of actions, it's conditions, values and philosophies have been explained. Manners of invitation and the characters of inviting persons have also been described in the light of orders mentioned in the verses of Holy Quran and Seerat -e- Tayyabah with complete reaso[illegible]

تحریک کے عروج وترقی اور بافیض ہونے کا پورا انحصار اسی اصول پر ہوتا ہے انسانی طبیعت کو اپیل کرنے کی جتنی صلاحیت اس میں ہوگی، اسی قدر تیزی سے وہ مشن صحیح سمت ترقی پزیر

ہوگا اور اگر اپنی صلاحیت، دل ودماغ کا صحیح طور پر تحریک میں پورا پورا استعمال نہ ہوتو وہ تحریک۔ ومشن سرفرازی کی چوٹیوں پر کبھی بھی نہیں پہنچ سکتی۔عرب کی بے نظیر جہالت وضلالت کی گھٹا ٹوپ تاریکی میں ایک چراغ جلا جس کی لو بادمخالف کے تیز جھونکوں سے متاثر نہ ہوئی بلکہ رفتہ رفتہ تیز سے تیز تر ہوتی گئی اور ایک وقت آیا کہ اسلام کی سربلندی کے آگے سب سرنگوں ہو گئے۔غور کیا جائے تو تبلیغ اسلام کے مشن کی کامیابی کا راز صرف اس کے اصول وضوابط ہیں جن کے سامنے امراء وسلاطین بڑے بڑے اُدباء اور سیاست دانوں کو بھی ماتھا ٹیکنے پر مجبور ہونا پڑا۔قرآن کریم نے اپنے معجزانہ اسلوب میں اس اصول کو یوں بیان کیا ہے۔ارشاد ربانی ہے۔

ادع الی سبیل ربک بالحکمة والموعظة الحسنة وجا دلھم بالتی ھی احسن(۱)

اسلام کی طرف لوگوں کو دانائی اور عمدہ نصیحت کے ذریعے بلائیں۔خوش اسلوبی کے ساتھ ان سے بحث وتکرار بھی کیجئے۔

بظاہر تین کلمات پر مشتمل یہ ایک جملہ ہے لیکن اس میں دعوت کے تین بنیادی اصول بیان کئے گئے ہیں (جن کو آگے چل کر بیان کرینگے انشاءاللہ تعالیٰ) عصر حاضر میں جہاں زندگی کے دوسرے بہت سے میدانوں میں ارتقائی اور انقلابی تبدیلیاں واقع ہوئی ہیں۔وہاں وہ معاملات جو گذشتہ ادوار میں بہت سادہ آسان صورتوں میں موجود تھے آج کے دور میں ان معاملات میں امت مسلمہ کو کافی دشواریوں کا سامنا ہے۔جس کی وجہ سے عوام کے ساتھ بہت سے اہل علم بھی ان معاملات کے شرعی مسائل سے ناآشنا اور بے خبر ہیں۔درحقیقت دعوت الٰہی اسی کو کہتے ہیں کہ امتِ مسلمہ میں غفلت اور دین سے ناآشنائی کو دور کر کے صحیح طور پر عمل پیرا کیا جائے۔اس وقت ایمان واخلاق اور انسانیت کا مسئلہ نہ تو حکومتوں پر چھوڑا جا سکتا ہے نہ اداروں اور تعلیم گاہوں پر۔یہ بہت بڑا وسیع اور عالمگیر مسئلہ ہے علمائے کرام اور اہل حق کی اجتماعی ذمہ داری ہے۔مگر یہ دعوت اور سمجھانا جب صحیح اصول وضوابط کے تحت ہوتو سات پشتوں پر اثرانداز ہوتی ہے۔آج کے دور میں داعی دین ہونے کا ہر کوئی دعویٰ کرتا ہے مگر یہ نہیں دیکھتا اور نہ ہی ان کو احساس تک ہوتا ہے

کہ اس کی دعوت شرعی اصول وضوابط کے مطابق ہے یا نہیں۔ دعوت الٰہی دین متین کی جڑ ہے اور اسی سے دین کے تمام شعبے زندہ ہونگے جبکہ اصول وضوابط کا خیال رکھا جائے۔ ہر داعی اصول اور ضوابط کو سامنے رکھ کر دعوت دیں اور اپنی بنائی ہوئی ترتیب ومحنت کو ترک کردیں اسی سلسلہ میں بندہ نے انتہائی عرق ریزی سے دعوت کے بارے میں قرآن واحادیث نبوی اور انبیاء کرام علیہم السلام کی دعوت سے چند اہم اصول اخذ کر کے تحریر کردیئے ہیں۔ یہ اصول وضوابط کس قدر نافع ہوں گے۔ اس کا بہتر علم اللہ ہی کو ہے۔

دعوت وتبلیغ کا لغوی واصطلاحی مفہوم:

الدعوة: دعا یدعو دعوةً دعوت فلانا نا دیته جمع دعاه(۲)

الدعوة پکارنا۔ (الداعی لوگوں کو اپنے مذہب ودین کی طرف بلانا۔ (۳) الابلاغ و التبلیغ هما الا یصال (پہنچانا)(۴) ابلغه و بلغه الیه . پهنچانا. بلغ عنه الرسالة الی القوم پیغام رسائی کرنا۔(۵) وعرفها المتاخرون بتعاریف الدعوة هی ابلاغ الناس الی الاسلام فی کل زمان ومکان باالاسالیب و الوسائل التی متناسب مع احوال المدعوین فالدعوة اذن جمع الناس مع الخیر و دلالتهم علی الرشد یامرهم بالمعروف ونهیهم عن المنکر.(۶) علامہ راغب اصفہانی مفردات القرآن میں لکھتے ہیں: الدعاالی الشیئی الحث علی قصده. یعنی کسی چیز کو حاصل کرنے پر اُبھارنا اور اسی سے ملتے جلتے اصطلاحی معنیٰ بھی وہ بیان کرتے ہیں۔ یعنی اللہ کے دین کو قبول کرنے کی طرف لوگوں کو بلانا اور آمادہ کرنا۔

تبلیغ ودعوت قرآن کی روشنی میں:

قرآن کریم کی دعوت کا طریقہ کار اور اسلوب ایسا حکیمانہ ہے جس میں طبائع اور احوال کی بھرپور رعایت اور لحاظ ہے۔ داعی وقتی مناسبت سے جس طریقے کو مفید دیکھے اس کے مطابق دعوت دے۔ اور پیغام پہنچائے۔ اس لئے حق تعالیٰ نے آیت دعوت کے اندر انتہائی معجز

اور مختصر انداز میں یہ اصول ارشاد فرمایا ہے کہ:

ادع الی سبیل ربک بالحکمة والمو عظة الحسنة وجادلهم بالتی هی احسن ان ربک هو اعلم بمن ضل عن سبیله وهو اعلم بالمهتدین(۷)

آپ اپنے رب کی راہ کی طرف علم کی باتوں اوراچھی نصیحتوں کے ذریعے سے بلایئے اوراگر بحث آن پڑے اوروہی راہ پر چلنے والوں کو بھی خوب جانتا ہے۔

یہ آیت کریمہ دعوت وتبلیغ کے طریقہ کار میں بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔اسی لئے اگر جملہ داعیان اسلام کی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو تمام کے تمام عملی طور پراس کے کاربند نظر آئینگے۔ قرآن مبین پر نظر کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ قرآن کریم کتاب مفصل میں دعوت وتبلیغ کے مختلف اسلوب واصول سمجھائے گئے ہیں قرآن کریم نے دعوت کے لئے واقعات اورمثالوں کا اسلوب اختیار کیا ہے دوسرے طرقہائے دعوت کی بنسبت یہ طریقہ زیادہ مفید اور کارآمد ثابت ہوا ہے۔ چنانچہ قرآن انبیاء علیہم السلام کی سیرت اوران کے مواعظ اورمکالمے ایسی تفصیل سے ذکر فرماتا ہے کہ قلب سلیم فوراً متاثر ہوجاتا ہے۔کیونکہ عملی نمونوں کا جواثر ہوتا ہے وہ دوسرے طریقوں سے نہیں ہوتا۔ان میں سے اکثر واقعات حضرت ابراہیم علیہم السلام، حضرت یوسفؑ، حضرت موسیٰؑ اور حضرت خاتم الانبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کی دعوت وسیرت سے متعلق ہیں۔ چنانچہ مذکورہ آیت کریمہ کا ربط وتعلق بھی حضرت ابراہیمؑ کی دعوت توحید سے ہے،اورآپ کا پورا تذکرہ اس طرح ہے۔

ان ابراهیم کان امة قانتا لله حنیفا ولم یک من المشرکین شاکر الا نعمه اجتباه وهداه الی صراط مستقیم واتیناه فی الدنیاحسنة وانه فی الاخرة لمن الصا لحین. ثم او حینا الیک ان اتبع ملة ابراهیم حنیفا وما کان من المشرکین ...... ادع الی

سبیل ربک الیٰ آخرا لا یۃ.(۸)

بیشک ابراہیم علیہ السلام بڑے مقتدا تھے، اللہ تعالیٰ کے فرما۲۲
ں بردار تھے، بالکل ایک طرف ہو رہے تھے اور رشک کرنے والوں میں سے نہ تھے، اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے شکرگزار تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کو منتخب کیا تھا، اور ان کو سیدھی راہ پر ڈال دیا تھا، اور ان کو دنیا میں بھی خوبیاں دی تھیں اور آخرت میں بھی، اچھے لوگوں میں ہوں گے۔ پھر ہم نے آپ کے پاس وحی بھیجی کہ آپ ابراہیم کے طریقے پر جو کہ بالکل ایک طرف ہو رہے تھے، چلیے اور وہ شرک کرنے والوں میں سے نہ تھے۔

حضرت ابراہیمؑ کے تذکرہ کے ضمن میں اس آیت کریمہ میں ادع کا ذکر آنا اس بات کی دلیل ہے۔ کہ آپؑ کی دعوت حکمت وموعظہ حسنہ کے اصول پر کار بند تھی۔ حضرت ابراہیمؑ نے جب اپنے والدین اور قوم کو دعوت دی۔ تو مخالفین کی نفسیات کو ملحوظ رکھتے ہوئے انتہائی حکیمانہ انداز میں دعوت دی۔ چنانچہ حضرت ابراہیمؑ کے فرزند ہونے کی حیثیت سے والد کو دعوت حق دینے کا انداز قرآن کریم میں موجود ہے۔

اذ قال لا بیہ یابت لم تعبد مالا یسمع ولا یبصر ولا یغنی عنک شیأ یابت انی قد جاء نی من العلم مالم یاتک فا تبعنی أھدک صراطا سویا. یابت لا تعبد الشیطٰن ان الشیطٰن کان للرحمن عصیّا. یابت انی أخاف ...... الیٰ اخرالا یۃ-(۹)

یہاں پر پیغمبرانہ انداز دعوت اور حکیمانہ اسلوب دیکھئے کہ پدرانہ شفقت کو بیدار کرنے کے لئے یابت اے ابا جان فرمایا اس میں حکمت یہ تھی کہ پدرانہ محبت دل کے دروازے کھول دے گی اور دعوت حق کے لئے دل میں جگہ بن سکے گی۔ اس طرح حضرت ابراہیمؑ نے اپنی قوم سے خطاب اور دعوت میں بھی مخاطبین کی نفسیات کو ملحوظ رکھا۔ کہ والد صاحب سے خطاب کے دوران

ان کے معبودوں کی بے بسی وغیرہ کا ذکر تو تھا۔ جسے پدرانہ شفقت برداشت کرسکتی تھی۔لیکن یہاں پران کے معبودوں کے بارے میں کچھ کہنے کے بجائے خود انہی سے کہلوایا۔قرآن کریم نقل کرتا ہے۔

واتل علیھم نبأ ابراھیم اذ قال لا بیه وقومه ما تعبدون قالوا نعبد أصنا ما فنظل لھاعاکفین، قال ھل یسمعونکم اذتدعون او ینفعونکم او یضرونO(۱۰)

ان آیات میں حضرت ابراہیمؑ نے ان کے معبودان کی حقیقت نہیں بتائی اور یہ بھی نہیں فرمایا۔کہ ان کی عبادت تمہارے کسی کام کی نہیں۔ورنہ دعوت سننے کو تیار ہی نہ ہوتے اس لئے آپ کے استفسار کے جواب میں ان کا یہ کہنا:

قالوبل وجدنا أباء نا کذلک یفعلون۔(۱۱)

اس میں خود گویا کہ ان کی طرف سے اقرار ہے۔کہ وہ ہمیں نفع ونقصان نہیں پہنچاتے۔بلکہ آباءواجداد کو ایسا کرتے دیکھا۔اس لئے ہم بھی ان کی پوجا کرتے ہیں۔اور حضرت ابراہیمؑ ان سے یہی کہلوانا چاہتے تھے۔کہ وہ اپنے معبودان کی عاجزی اور خود اپنی جہالت کا اعتراف واقرار کرلیں۔اس اعتراف کے بعد آپؑ نے اپنی دعوت واضح فرمائی۔

قال افرأیتم ماکنتم تعبدون أنتم وأباء کم الا قدموز فانھم عدولی الارب العالمین الذی خلقنی فھو یھدین۔(۱۲)

ان آیات میں حق تعالیٰ کی چند صفات خلق، ہدایت، رزق، شفاء اور موت وحیات پر قدرت کا ذکر فرمایا۔جبکہ بتوں میں نفع وضرر کی کوئی بھی صفت موجود نہیں۔

انبیاء کرام کی دعوت کے چند اہم اصول

پہلا اصول خوشخبری وآسانی:

دعوت کے لئے جس قدر آسان طریقے کو اپنانا ممکن ہو اپنایا جائے۔اس لئے کہ ایک

چیز کے مختلف پہلو ہوتے ہیں۔ایک اعتبار سے وہ چیز آسان اور سہل ہوتی ہے۔اور دوسرے اعتبار سے مشکل ایک مبتدی کے سامنے اگر سہل پہلو کو پیش کیا جائے تو اس کو اجنبیت محسوس نہیں ہوگی۔اگر پہلی ہی ملاقات میں مشکل پہلو سامنے آئے تو اس سے فوراً وحشت زیادہ ہوجائے گی۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے۔

بشروا ولا تنفروا یسروا ولا تعسروا ان الدین یسرولن یشا داحد الا غلبہ فسددوا و قاربو وبشروا(۱۳)

دوسرا اصول: دوسروں کے معبودوں کو برا کہنے کی ممانعت:

داعی کو اس امر کی رعایت رکھنی لازم ہے۔کہ مخاطبین کے معتقدات کی تنقیص نہ ہو انہیں برا بھلا کہنے سے احتراز کریں ورنہ مخاطب جاہلی حمیت کے جوش میں آکر دعوت قبول کرنے کے بجائے مخالفت پر اتر آئے گا۔اور وہ حضرات اسی پر اکتفا نہیں کرینگے۔ بلکہ ان کے معبودان باطلہ کے سب وشتم کا بدلہ معبود حق کی توہین سے چکائیں گے۔لیکن مقتداؤں کی تحقیر کرنے سے یہ مطلب نہیں کہ ان کے عقائد کو بھی نہ چھیڑا جائے۔ورنہ دعوت وتبلیغ کا مقصد کیا ہوگا؟ یعنی مریض سے نفرت نہ کرے بلکہ دعوت سے مرض کا علاج ہی تو مقصود ہے،قرآن کریم نے اس رویے سے بچنے کا حکم دیا ہے۔

ولا تسبو الذین یدعون من دون اللّٰہ فیسبو اللّٰہ عدوا بغیر علم، کذالک زینا لکل أمة عملهم—(۱۴)

مخاطبین کے مقتداوءں کی تحقیر کے بجائے ان کی عزت واحترام کا اعتراف کریں۔اور ان کی قدر ومنزلت عنداللہ کچھ بھی ہو اس کے صریح انکار سے عصبیت اور جاہلیت بھڑک اٹھے گی۔اور دعوت حق کے راستے میں رکاوٹ پیدا کرنے کے مترادف ہوگا۔

وقل لعبادی یقولوا التی هی احسن، ان الشیطان ینزغ بینهم، ان الشیطان کان للانسان عدوا مبیناً—(۱۵)

تیسرا اصول: نرم لہجہ اختیار کرنے کا حکم:

داعی اسلام کو چاہئے کہ کلام میں نرمی پیدا کریں کیونکہ بعض لوگ تعظیم وتکریم والے خطاب وکلام کے عادی ہوتے ہیں۔اس لئے ان کے مزاج کی رعایت رکھتے ہوئے دعوت دینی چاہئے۔حق تعالیٰ شانہ نے حضرت موسیٰ وہارون علیہما السلام کو فرعون کی طرف مبعوث فرماتے ہوئے نرمی اختیار کرنے کا حکم فرمایا۔

اذهبا الیٰ فرعون انه طغیٰ فقولا له' قولاً لینا لعله یتذکر او یخشی-(۱۶)

جایئے فرعون کی طرف بیشک وہ سرکش ہو چکا ہے، پس اس سے بات کیجئے نرمی کے ساتھ، شاید وہ نصیحت پکڑے یا ڈرے۔

لیکن یہ لحاظ اس حد تک جائز ہے۔جہاں تک اس حق کے احترام ووقار کے خلاف نہ ہو جس کو داعی پیش کر رہا ہے۔اگر اس وقار کے منافی ہو تو پھر جائز نہیں ہوگا۔کیونکہ اسلام دینی معاملات میں مداہنت اختیار کرنے کو جائز نہیں رکھتا۔ہمیں شکر بجالانا چاہئے۔کہ الحمدللہ موجودہ تبلیغی کام میں دعوت کے اس اصول کی خاص رعایت ہوتی ہے۔لیکن نرم انداز میں گفتگو حق کی کڑوی گولی کے اندر نہیں ہونی چاہئے۔

چوتھا اصول: لوگوں کی فہم کے مطابق بات کی جائے:

مخاطب کی استعداد اور ظرف کو دیکھ کر دعوت پیش کریں۔جیسے قرآن کریم کو حق تعالیٰ نے مختلف معجزانہ اسلوب میں تھوڑا تھوڑا کر کے اتارا۔ارشاد ہے کہ!

وقرانا فرقنه لتقراه' علیٰ مکث ونزلنه تنزیلاً.(۱۷)

اس سے معلوم ہوا کہ دعوت وتبلیغ کے لئے تھکا دینے والا تسلسل اور ہر وقت مخاطب کو اس کا پابند بنائے رکھنے کی کوشش کرنا درست نہیں ورنہ جذبات سرد پڑ جائینگے۔مقصد حاصل ہو یا نہ ہو۔تھک کر درماندہ ہو کر بیٹھ جائینگے۔جیسا کہ ارشاد نبوی ﷺ ہے۔

فواللّٰهِ لا یمل اللّٰه حتی تملوا (۱۸)وفیه حدیث اخر.

قال علیہ الصلاۃ والسلام .اِقرأوا القرآن ما ائتلفت قلوبکم فاذا اِختلفتم فقوموا عنہ. (۱۹)

پانچواں اصول: اعتراض اور نکتہ چینی سے بچے:

داعی حق کو ان تمام اوقات میں دعوت سے احتراز کرنا چاہئے۔جن اوقات میں مخاطبین اعتراض اور نکتہ چینی کی طرف مائل ہوں اور اگر وہ ایسا کریں۔تو داعی کو چاہیے کہ وہ دعوت دینے کے بجائے وہاں سے ہٹ جائیں اور کسی مناسب موقع کا انتظار کریں۔جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

قولہ تعالیٰ واذا رایت الذین یخوضون فی ایاتنا فاعرض عنہم حتی یخوضوا فی حدیث غیرہ واما ینسینک الشیطٰن فلا تقعد بعد الذکریٰ مع القوم الظالمین.(۲۰)

یعنی داعی کو دین کی خاطر استخفاف کا سامنا ہو تو اسے برداشت کرنا ہی اولعزمی ہے لیکن جہاں دین کی توہین ہوتی ہو دعوت کی تحقیر وتذلیل لازم آتی ہو وہاں سے فوراً ہٹ جانا چاہئے۔

چھٹا اصول: مناسب وقت کا انتظار:

مخاطبین اگر اپنے کسی دلچسپی والے کام میں منہمک ہوں جس کو چھوڑ کر دعوت کی طرف متوجہ ہونا ان کی طبیعت پر گراں گزرے اور دعوت سننے میں طبعی ملال پیدا ہوتا ہو تو اس وقت دعوت سے احتراز کیا جائے۔بخاری میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے۔کہ

عن عکرمۃ ان ابن تمل الناس ھذا القران ولا لفیتک تاتی القوم وھم فی حدیث من حدیثھم فتملھم ولکن انصت فاذا امروک فحدثھم ویشتمو نہ) (۲۱)

مثلاً میدان کھیل میں کھلاڑیوں کو دعوت دینا دکانداری میں مشغول افراد کو دعوت

دینا۔ البتہ اگر داعی ان مختلف اشغال کو بند کرواسکتے ہیں اور ان سے یہ امید ہو کہ یہ اللہ کی بات کو سن لیتے ہیں تو پھر ایسے لوگوں کو دعوت ضرور دینی چاہئیے۔

ساتواں اصول: تبلیغ میں وقفہ کی ضرورت:

داعی کے لئے اس امر کا لحاظ بھی ضروری ہے۔ کہ دعوت میں بے فائدہ تکرار سے پرہیز کرے اور دعوت کو وقفے وقفے سے جاری رکھے۔ حضور اکرمؐ اور آپ ﷺ کے اصحاب علیہم الرضوان کا یہی طریقہ کار تھا۔ حضرت شقیقؒ سے روایت ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ نے وعظ ونصیحت کے لئے جمعرات کا دن مقرر کیا تھا۔ دعوت کی ترتیب میں اضافے کی فرمائش ہوئی تو آپؓ نے اسے خلاف مصلحت وسنت قرار دیا اور فرمایا!:

اما انه یمنعنی من ذالک انی اکره ان املکم وانی اتخولکم بالموعظة کما کان رسول الله ﷺ یتخولنا بها مخافته السامة علینا.(۲۲)

آج کل سلسلہ وار بیانات کا طریقہ رائج ہے۔ اس سے زیادہ بہتر ہوگا کہ دن میں ایک مرتبہ بیان ہو بقیہ دن میں دوسرے اعمال کی ترتیب وشیڈول میں اضافہ کر دیا جائے۔ مثلاً اختلاط، اجتماعی طور پر کارگزاری کا کوئی ایسا عمل جس کے لئے طبیعت نشاط کے ساتھ متوجہ ہو جائے۔

آٹھواں اصول: دنیا کے ذریعہ دین کی طرف بلانا:

ایک داعی حق کو اپنے گردوپیش کا پوری ہوشیاری ومستعدی کے ساتھ جائزہ لیتے رہنا چاہئے کہ دعوت کے لئے کون سا موقع اچھا ہے اور موزوں ہے۔ جونہی وہ اس مقصد کے لئے موزوں موقع محسوس کرے فوراً بغیر کسی توقف کے اس موقع سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرے۔ اس کی بہترین مثال حضرت یوسف علیہ السلام کے ایام اسیری کی دعوت ہے۔ خواب کی تعبیر پوچھنے والوں کو تعبیر بتانے سے قبل راہ ہموار کرکے دعوت توحید دی۔

قوله تعالیٰ ذالکما مما علمنی ربی.(۲۳)

اس دوران دعوت کا انداز کچھ یوں رکھے کہ گویا سلسلہ سخن میں بات سے بات پیدا ہورہی ہے۔ایسا کرنے کا ارادہ وقصد نہیں کیا گیا۔اس سے ہمیں یہ اصول ملتا ہے کہ دعوت کے موقع پر کارگزاری پیش کی جائے۔ بلکہ ترغیبا ایک آدھاواقعہ پیش کردیا جائے۔

نواں اصول: خطاب کے وقت مخاطبین کے مرتبہ کو سامنے رکھے:

داعی کے لئے ضروری ہے کہ مخاطب کے درجہ کی حیثیت کا خیال رکھتے ہوئے مدعا پیش کرے۔مثلاً اہل علم سے خطاب کا انداز لب ولہجہ اس سے بالکل مختلف ہوگا۔جو طریقہ کار عامی سے خطاب میں اختیار کیا جاتا ہے۔غرض یہ ہے کہ مخاطبین کے مراتب کو سامنے رکھ کر بات کرنی چاہیے اور جس قدر داعی ومخاطبین کے درمیان موانست وقرب پیدا ہوجائے گا جیسا کہ قرآن کریم میں حق تعالیٰ شانہ نے اہل کتاب سے مجادلہ ومباحثہ کی اجازت دی تو اس کے ساتھ اس کی صورت بھی بیان فرمائی کہ مسلمات کا اقرار واعتراف کروتا کہ متذکرہ فائدہ حاصل ہو۔

قوله تعالیٰ ولا تجادلوا اهل الكتاب الا بالتی هی احسن الا الذین ظلموا منهم وقولوا أمنا بالذی أنزل الینا وأنزل الیکم والهنا والهکم واحدو نحن له مسلمون.(۲۴)

اس سے معلوم ہوا کہ داعی ومخاطب کے مسلمات کو تسلیم کرنا چاہیے بلکہ دعوت کا آغاز ہی اس طرح ہونا چاہیے مثلاً اہل بدعت ونام نہاد عشاق رسول ﷺ سے واسطہ پڑے تو دعوت کا آغاز سیرت سے کیا جائے فضائل درود سے بحث کی جائے پھر آگے آپ ﷺ کی محنت ودعوت کے حوالے سے بات کی جائے روافض سے بات کرتے ہوئے اہل بیت کے فضائل اور غیر مقلدین سے بات کرے تو حدیث کی اہمیت سے گفتگو کا آغاز کیا جائے تو اس طرح انہیں اپنا پروگرام اور دعوت پہنچانے میں آسانی ہوگی۔اور جلدی مانوس ہوکر عمل کرنے کے لئے تیار ہوگا۔

دسواں اصول: ایسے دلائل پیش کئے جائیں جس سے دشمن خاموش ہوجائے:

داعی حق اگر مخاطب کے اندر عناد اور ہٹ دھرمی محسوس کریں تو وہاں امر حق کسی ایسے

پہلو سے پیش کیا جائے جس پر اس کو اپنی ہٹ دھرمی کے اظہار کا موقع نہ ملے بلکہ اگر قبول حق کی صلاحیت ہو تو اس کو قبول کرے ورنہ اس کو بحث وجدال کی راہ تو کم از کم نہ ملے۔

جیسا کہ قرآن مجید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ایک بادشاہ کا مناظرہ مذکور ہے۔ جو اس کی بہترین مثال ہے۔قولہ تعالیٰ

الم ترا لیٰ الذی حاجّ ابراھیم فی ربہٖ ان اتاہ اللّٰہ الملک اذقال ابراھیم ربیَّ الذی یحی ویمیت قال انا أحیِ وأمیت قال ابراھیم فان اللّٰہ یأتی بالشمس من المشرق فأت بھا من المغرب فبھت الذی کفرو اللّٰہ لا یھدی القوم الظالمین-(۲۵)

یہاں پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے معترض کی قابل اعتراض اور قابل جرح بات سے معارضہ نہیں فرمایا بلکہ حکمت سے کام لیتے ہوئے اگلی دلیل ایسی پیش کردی جس سے وہ ہکا بکا رہ گیا۔

گیارھواں اصول: منصوبہ بندی:

داعی کو دعوت وتعلیم میں جلد بازی سے کام ہرگز نہیں لینا چاہیے بلکہ جسمانی ومادی خوراک کی طرح روحانی خوراک کی تعداد میں بھی یہ لحاظ رکھنا چاہیے کہ یہ خوراک فسادِ معدہ اور سوء ہضم کا سبب تو نہیں بن رہی ہے اور یہ کہ دعوت کا پودا لگا لینے کے بعد اس کی آب یاری دیکھ بھال، ہر ایک پر نظر ہو، تا کہ وہ نشو نما پاسکے۔اگر جلد بازی سے کام لیا جائے تو فساد، خرابی وبدہضمی کا ذریعہ وسبب ہوگا۔اس لیے ایک داعی کو چاہیے کہ دعوت میں جلد بازی سے کام نہ لیں بلکہ دعوت کے بعد ان کی ترتیب کا انتظام واہتمام بھی کردے۔جیسا کہ قرآن کریم میں حق تعالیٰ شانہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تذکرہ میں بنی اسرائیل کی گوسالہ پرستی کی وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی فرطِ محبت اور شوق لقاء میں آکر جلدی کرنا معلوم ہوتا ہے، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی یہ تعجیل

حکمت پرمبنی تھی مگر امت محمدیہ کے لئے اس میں ایک رہنما سبق ہے کہ دوران دعوت تعجیل سے کام نہ لیا جائے۔

وما اعجلک عن قومک یموسیٰ قال هم اولآء علی اثری وعجلت الیک رب لترضیٰ قال فانا قد فتنا قومک من بعدک واضلهم السامری(۲۶)

حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ جل جلالہ کے لاڈلے پیغمبر اور جلالی شان رکھنے والے تھے، اور موقعہ کی مناسبت سے آپ ﷺ کو احکام الٰہی معلوم کرنے کی بہت ہی چاہت اور جلدی ہوا کرتی تھی جب کہ حق تعالیٰ نے خاص حکمت کے تحت وقفے وقفے سے قرآن کریم نازل کرنے کا فیصلہ فرمار کھا تھا۔ قولہ تعالیٰ:

ولا تعجل بالقرأن من قبل ان یقضیٰ الیک وحیه وقل رب زدنی علما(۲۷)

انہی تدریجی مراحل کے ذریعے تعلیم وتبلیغ صحابہ کرام کا مزاج بھی تھا۔ اور علم کے مطابق تربیت بھی لیا کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قال کان الرجل منا اذاتعلم عشر ایات لم یجاوز هن حتی یعلم معا نیهن والعمل بهن.

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا! کہ جب ہم میں سے کوئی آدمی دس آیات سیکھ لیتا تو اس وقت تک آگے سیکھنے کی کوشش نہ کرتا جب تک دس آیات عمل میں نہ لاتا۔

بارھواں اصول: تبلیغ کا زیادہ حق دار وہ ہے، جو زیادہ قریبی ہو:

داعی کے پیش نظر یہ ہونا چاہیے کہ اپنوں سے لاپرواہی اور بیگانوں کو اپنا بنانے کی انتہائی کوشش میں لگنے کے بجائے اپنوں کی تعلیم وتربیت کو ترجیح دے۔ قرآن کریم سے یہی اصول مستنبط ہوتا ہے کہ دعوت سے بیگانہ لوگوں کو دعوت دینے کی خواہش اتنی غالب نہ ہونی چاہیے کہ اس

انہماک میں اپنوں کا حق نہ مارا جائے جو اس کے محتاج بھی ہیں۔

لا تمدن عینک الی مامتعنا به ازوا جا منهم ولا تحزن علیهم واخفض جنا حک للمؤ منین .(۲۸)

قوله تعالیٰ واصبر نفسک مع الذین یدعون ربهم بالغداة والعشی یریدون وجهه ولا تعد عیناک عنهم ترید زینة الحیوٰة الدنیا ...... قوله تعالیٰ عبس وتولیٰ ان جاء ه الا عمیٰ وما یدریک لعله یز کیٰ او یذکر فتنفعه الذکریٰ اما من استغنی فانت له تصدیٰ.(۲۹)

اس سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے۔ کہ تبلیغی جماعت میں نکل کر دوسروں کو شامل دعوت کرنے کی بہ نسبت اپنے ساتھیوں پر زیادہ محنت کی جائے۔ان کی تربیت کا خاص خیال رکھا جائے. نامناسب ہوگا کہ دوسروں کو دعوت دینے میں لگے رہے اور جو دینی تڑپ لے کر ساتھ گھوم رہے ہیں۔ان پر کم توجہ دی جائے،اور تربیت سے عاری واپس لوٹے۔

تیرھواں اصول: دعوت دینے والے دعوت کے طریقوں پر غور کریں:

داعی کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ گر حلقۂ دعوت میں کسی اصول یا مقصد سے بغاوت نظر آئے تو اس کا قلع قمع کرے اگر کسی قسم کی بے قاعدگی کا خدشہ محسوس کرے تو اس کے لئے پیشگی اقدامات کرے تاکہ معاشرہ میں کسی قسم کا فتنہ برپا نہ ہو اگر اس سے پہلو تہی کی گئی تو اس فتنے کی زد میں کوئی مخصوص طبقہ نہیں بلکہ پوری قوم اس سے دوچار ہو کر رہ جائے گی۔قرآن کریم میں حق تعالی کا ارشاد ہے کہ:

واتقوا فتنة لا تصیبن الذین ظلموا منکم خاصه واعلموا ان اللّٰه شدید العقاب (۳۰)

یعنی فتنہ عوام وخواص کو سب کو نگل جائے گا۔

چودھواں اصول: ایک جماعت کو لازماً تبلیغ کا فریضہ انجام دینا چاہئے:

دعوت وتبلیغ میں ہر فرد کو حصہ لینا چاہیے۔ اگر ایسا نہ ہو سکے تو کم از کم قوم اور قبیلے کے چیدہ چیدہ اشخاص کی ایک جماعت اس کے لئے یہ ضروری ہے۔

وما كان المؤمنون لينفروا كافة، فلولا نفر من كل فرقة منهم طائفة ليتفقهوا في الدين ولينذروا قومهم اذا رجعوا اليهم لعلهم يحذرون (۳۱)

اس آیت مبارکہ میں اللہ جل جلالہ نے ہر قوم میں ایک جماعت کے لئے نصابِ زندگی کی تشکیل کی ہے، تفاسیر میں اس پر مستقل بحث موجود ہے۔

پندرھواں اصول: تبلیغ میں جہاں مشکلات ہوں وہاں خصوصی توجہ دی جائے:

آزمائش اور امتحانی مقامات پر خصوصی توجہ درکار ہے۔ آزمائش کا وقت گزرنے پر اس کی اصلاح ضروری ہے۔ لازماً اصلاح کرے۔ یعنی جہاں کام میں مشکلات پیش آئیں وہاں مشکلات کے خاتمہ پر خصوصی توجہ دے۔

انداز دعوت طرز تربیت وشرائط:

حضور اکرم ﷺ پہلے خود عمل کرتے اس کے بعد اس کے بعد دوسروں کو عمل کی دعوت دیتے اور ہر ممکن کوشش رہتی کہ تنگی وحرج نہ ہو آسانی اور سہولت والا معاملہ پیش آتا رہے۔ یہی منشاء خداوندی بھی ہے۔

يريد اللّٰه بكم اليسر ولا يريدبكم العسر (۳۲) وما جعل عليكم في الدين من حرج (۳۳)

ایک اعرابی کو کس طرح تربیت دی حق تعالیٰ کی عنایت کردہ یسر وسہولت کا عملی نمونہ پیش فرمایا

رأى اعرابياً يبول في المسجد ورأى الصحابة ليوقعوافقال، دعوه واريقوا على بوله سجلاً من ماء او ذنوبا من ماء فانما بعثتم ميسرين ولم تبعثوا معسرين (۳۴)

ایک دیہاتی مسجد میں پیشاب کرتے ہوئے صحابہ کرامؓ نے دیکھ لیا، صحابہ نے ارادہ کیا کہ اسے اٹھایا جائے اور اس کی ڈانٹ ڈپٹ کی جائے۔

عن عمر بن ابی سلمة رضی اللّٰہ عنہما قال کنت غلا ما فی حجر رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم وکانت یدی تطیش فی الصحفة قال لی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یا غلام سم اللّٰہ وکل بیمینک وکل مما یلیک (۳۵)

تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو روکا اور فرمایا کہ اسے پیشاب سے فارغ ہونے دو۔ چنانچہ جب وہ دیہاتی پیشاب سے فارغ ہوا تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوٹا لے کر اس پر پانی بہایا اور اس دیہاتی کو نرمی سے بات سمجھائی کہ مساجد اللہ تعالیٰ کے گھر ہیں، اس میں گندگی پھیلانے سے منع کیا گیا ہے۔

آپ ﷺ کے پاس نوے ہزار درہم آئے آپ ﷺ چٹائی پر ڈھیر فرما کر تقسیم کرنے لگے کسی سائل کو خالی نہیں لوٹایا ایک صاحب تشریف لائے تو حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا کہ میرے پاس ہے تو کچھ نہیں۔ آپ اپنی ضرورت کے مطابق کسی سے چیز خرید لیں۔ اس کا حساب میں دوں گا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو غیر مقدور کا مکلف تو نہیں بنایا۔ آپ کو یہ بات اچھی نہ لگی ایک انصاریؓ نے فرمایا کہ خزینہ عرش میں کمی کے خوف کے بغیر خرچ فرمائیں۔ تو آپ ﷺ مسکرائے بشاشت چہرے پر محسوس ہوئی اور فرمایا۔ بذلک امرت (۳۶)

دعوت کا دائرہ کار اور اس کی شرائط

دعوت وتبلیغ کے طریق کار کو کسی مخصوص قانون وضابطہ میں بند کر دینا نہ قرین مصلحت

ہے نہ مقتضائے حکمت۔ کیونکہ دعوت وتبلیغ کا انداز ماحول اور مخاطبین کے طبائع اور مصالح دینیہ کے مطابق متعین ہوتا ہے۔ اس لئے کہ داعی کو مختلف ماحول میں مختلف صورتحال کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اور صورتحال ہمیشہ بدلتی رہتی ہے۔ مگر ہر دور کے معتمد علماء ومشائخ کرام کا اتفاق ضروری ہے۔ الغرض دعوت وتبلیغ کو مخصوص قواعد میں جکڑ کر محدود نہیں کیا گیا۔ بلکہ ہر مناسب طریقے کو بروئے کار لانا صحیح ہے۔ کیونکہ دعوت وتبلیغ کی وسعت کا کوئی ٹھکانہ نہیں اس لئے دعوت وتبلیغ کی زمانی اور مکانی حدود بھی وسیع تر اور پھیلی ہوئی ہیں۔ زمانہ کے اعتبار سے ابتداء دیکھئے تو حضور پر نور ﷺ سے ابتداء ہوتی ہے۔ جس داعی نے بھی ابتداء کی وہ ابتدا ہے اور اس کی انتہا کوئی نہیں۔ اسی طرح مکان ومقام کے اعتبار سے بھی داعی دنیا کے کسی بھی کونے میں ہو اس کا دائرہ کار اسی جگہ تک محدود نہیں بلکہ شرق وغرب ہر طرف فریضہ کی ادائیگی کے لئے جا سکتا ہے۔ بسا اوقات ذمہ داری کا بوجھ دعوت وتبلیغ کی تکلیف (مکلف ہونا) اس کا ذریعہ بن سکتا ہے۔ دعوت وتبلیغ کو کسی حدود زمانی ومکانی کا پابند نہیں بنایا گیا۔ البتہ چند مفید اور مؤثر قیود اور شروط کا لحاظ ضروری ہے۔ جس کو ذیل میں ترتیب وار ذکر کیا جاتا ہے۔

پہلی شرط:

نص قرآنی کے مطابق:

لتکونوا شهداء علی الناس (۳۷)

کے تحت ہمیں جس دین پر [illegible] یا ہے۔ اولاً اس پر صدق دل سے ایمان لانا ضروری ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام کا یہی طریقہ رہا ہے۔

دعوت: امن الرسول بما انزل الیه ربه والمئومنون (۳۸) وانا اول المؤمنین. (۳۹)

یعنی جس پروگرام کو دوسروں کے سامنے پیش کر رہے ہیں۔ اس کو دوسروں کے ہاں قبولیت کا درجہ دلانے کے لئے ضروری ہے کہ آدمی یقین جازم کے ساتھ اس کی صداقت و حقانیت پر اعتماد رکھتا ہو اور اس کو علانیہ ظاہر بھی کرتا ہو۔ اور اسی دعوت کے کام پر اعتماد راسخ ہو کہ

انشاء اللہ تعالیٰ پورے دین کے زندہ ہونے کا سبب ہے۔

دوسری شرط:

جس دین حق پر ایمان لائے ہیں اس کو ظاہر کریں۔ یعنی زبان سے گواہی دیں۔

واذ اخذ اللّٰہ میثاق الذین اوتو الکتٰب لتبیننه للناس ولا تکتمونه (۴۰) وقوله تعالیٰ هوا لذی ارسل رسوله بالهدیٰ ودین الحق لیظهره علی الدین کله ولو کره المشرکون. (۴۱)

دین کے اظہار سے کوئی امر مانع نہیں ہونا چاہیے دین کے معاملے میں کسی قسم کی مداہنت اختیار کرنا صرف ان حالات میں درست ہے جن میں جان کا خطرہ ہو اور اگر مخالفین کی کوئی بات تسلیم کرنے میں کوئی فائدہ ہو تو اس کو اسی حد تک اختیار کرنے کی اجازت ہوگی جہاں تک کہ شریعت کی مخالفت لازم نہ آتی ہو۔ اور اسلام کی شوکت کو ٹھیس نہ پہنچتی ہو۔ مثلاً آج کل تبلیغی پروگرام کے راستے میں حائل مشکلات کو دیکھتے ہوئے بعض غیر دینی مسائل میں الجھنے کی بجائے جن میں سنت کی خلاف ورزی یا بدعت کا لزوم ثمرۃ ہو ان میں شرکت کی جاتی ہے۔ لیکن اس آدمی کا کھانا کھانا جس کی تمام ذرائع آمدنی حرام ہو تو اس کا کھانا حرام ہے۔ لہٰذا ایسی صورت میں حکمت عملی سے اپنے آپ کو بچانا ہوگا۔

تیسری شرط:

جس دین کی دعوت دے رہے ہیں۔ اس کے بارے میں زبانی گواہی کافی نہیں ہے۔ بلکہ ضروری ہے کہ اعمال کے ذریعے اس کی تصدیق کی جائے اس لیے ظاہر وصورت کا سنوارنا دعوت کے بیان میں انتہائی مؤثر ہے۔ بلکہ حسن سیرت خود دعوت کا ایک طریقہ ہے کہ لوگ سیرت کو دیکھ کر مسلمان ہو جایا کرتے ہیں۔

اتامرون الناس بالبر وتنسون انفسکم وانتم تتلون الکتٰب (۴۲)

یعنی خود عمل کے بغیر وعظ یا دعوت میں اثر نہیں ہوتا۔

چوتھی شرط:

دین حق کی دعوت وتبلیغ کا داعی اپنے حفظ وامان کے حوالہ سے حق تعالیٰ پر کامل توکل رکھے اور کھل کر دعوت دے۔ مخالفین کے ردعمل سے خائف نہ ہونا چاہیے۔ جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے:

یا یھا الرسول بلغ ما انزل الیک الیٰ قولہ واللہ یعصمک من الناس (۴۳) الذین یبلغون رسٰلٰت اللہ ویخشو نہ ولا یخشون احداً الا اللہ (۴۴) ودع اذا ھم وتوکل علی اللہ (۴۵) فادع واستقم (۴۶) فاصدع بما تؤ مر. (۴۷)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دعوت وتبلیغ کے میدان میں توکل کا سرمایہ بیش بہا اور وافر مقدار میں ہونا چاہیے۔ لیکن توکل کا مفہوم بھی جاننا ضروری ہے۔ مفہوم یہ کہ پہلے اسباب کو بروئے کار لانا چاہیے۔ پھر اتمام وانجام اللہ کے سپرد کیا جائے۔ مثلاً گھر بار سے جاتے ہوئے واپسی تک کے لئے ان کی ضرورت کا انتظام کیا جائے کمی وبیشی حادثہ وپریشانی سے متعلق حق تعالیٰ پر بھروسہ رکھے۔

پانچویں شرط:

مخالفین کے اعتراضات واعراض کی پرواہ نہ کرتے ہوئے مسلسل جدوجہد کریں۔ ایسا نہ ہو کہ کسی نے ٹھکرادیا تو اس کو دعوت دینا چھوڑ دیں۔ حدیث شریف میں اس کی مذمت آئی ہے۔

عن ابن مسعودؓ قال ، قال رسو ل ﷺ اول ما دخل النقص علی بنی اسرائیل انه کان الرجل یلقی الرجل فیقول . یا ھذا اتق اللہ ودع ما تصنعه فانه لا یحل لک

ثم یلقاہ من الغدو ھو علی حا له فلا یمنعه ذلک ان
یکون اکله وقعیده فلما فعلوا ذلک ضرب الله قلوب
بعضھم ببعض ثم قال لعن الذین کفرو امن بنی اسرائیل
. الیٰ قوله. فا سقو ن ثم قال کلا واللّٰه لتا مرن
بالمعروف وتنھون عن المنکر ولتا خزن علی ید الظالم
علی الحق اطرا (۴۸)

یعنی دعوت دیتے ہوئے اکتاہٹ نہیں آنی چاہیے۔ اگر چند بار اعراض وانکار سے تنگ
کر بیٹھ گئے۔ تو دعوت کا کام ٹھپ ہو جائیگا۔ اگر دعوت دیتے رہے تو اسی کی بنیاد پر حق تعالیٰ ان
ے درمیان اختلاف پیدا فرمادیں گے۔

ٹی شرط:

اپنے بڑوں پر اعتماد اور ان سے مراجعت، تعلق اور رہنمائی حاصل کرنے میں کوتاہی
ں ہونی چاہیے۔ ورنہ یہ صرف داعی کے لئے نہیں دین کے لئے بھی نقصان دہ ثابت ہوگا۔ جس
رح الحمدللہ آج دعوت وتبلیغ کا کام زوروں پر ہے۔ کام میں جس قدر وسعت آرہی ہے۔ اسی
ر اہل حل وعقد کے ہاتھوں سے باگ ڈور نکلتی ہوئی نظر آرہی ہے۔ مطلق العنانی بڑھ رہی ہے،
ء ومشائخ کی قدر ومنزلت کم ہو رہی ہے، صرف اس لئے کہ علماء دعوت وتبلیغ کی موجودہ ترتیب
، پابند نہیں ہیں، اور اگر اس قسم کا امام مسجد ہو تو اسے نااہل سمجھا جاتا ہے اور چشم دید واقعات کی
نی میں مزید عرض کرتا ہوں کہ کئی حضرات ہیں۔ جن کے ہاں علماء دین کی کوئی قدر وقیمت ہی
ں ہے۔ عزت ودینداری کا معیار فقط یہ ہے کہ موجودہ ترتیب کا پابند ہو ورنہ اس کے ساتھ
ندانہ رویہ اختیار کیا جاتا ہے گویا کہ البغض فی اللہ کا اہم فریضہ سرانجام دے رہے ہیں۔ اور اس
جسارت بھی کہ علماء کو کنویں کے مینڈک سے تشبیہ دی جاتی ہے، کیا یہی دینداری ہے؟ ذرا غور
جائے کیا کوئی یہودی وعیسائی وہندو اور رافضی بھی اپنے مذہبی پیشواؤں کے ساتھ یہ رویہ رکھتے

ہیں یا اس کی یہ تعبیر ممکن ہے کہ اس کو خدمت دین، تبلیغ دین اور اسلام سے تعلق ومحبت کہا جائے گا؟ اوراس دینداری سے دین کی کتنی نیک نامی ہوتی ہے۔

سا تویں شرط:

دعوت وتبلیغ کو دین کے صرف چند شعبوں میں محدود کرنے کی غلطی نہ کرنی چاہیے۔اور نہ یہ خیال ہو کہ دین یہی ہے بلکہ پورے دین پر عمل اور اس کے ہر شعبے کی دعوت وتبلیغ ہونی چاہیے۔اگر معروف کی ترغیب دی جائے اور منکر سے روکا نہ جائے تو دعوت ادھوری ہوگی۔

آٹھویں شرط:

مخاطب کی نفسیات کا لحاظ رکھا جائے۔صرف اس کی صلاحیت ہی کو نہیں دیکھنا چاہیے۔بلکہ یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ دعوت دیتے وقت ان کی نفسیاتی حالت کیا ہے۔حضرات انبیاء کرام انسانی نفسیات کو بھی اعلیٰ طریقے پر سمجھنے والے تھے۔

اصول دعوت کی اہمیت وحکمت سیرت طیبہ ﷺ کی روشنی میں:

کسی بھی دعوت کی کامیابی کے لئے دو۲ باتیں اشد ضروری ہیں۔دعوت دینے والے کا انفرادی کردار اور دعوت کا انداز وطریقہ کار۔ دعوت بجائے خود کتنی ہی پر کشش کیوں نہ کسی معاشرے میں اسی وقت جڑ پکڑتی ہے۔جب اسے نہایت حکیمانہ انداز میں پیش کیا جائے۔دانائی کے ساتھ مخاطب کی ذہنیت، استعداد اور حالات کو سمجھ کر موقع محل کو دیکھ کر بات کی جائے۔فرق مراتب اور مخاطب کے نفسیاتی حالات کو مدنظر رکھا جائے۔مخاطب کے جذبات کو ابھارا جائے گمراہیوں اور برائیوں کا محض عقلی حیثیت سے ہی ابطال نہ کیا جائے بلکہ انسانی فطرت میں جو ان کے لئے پیدائشی نفرت پائی جاتی ہے۔اسے بھی اُبھارا جائے اور ان کے بُرے نتائج سے خوف دلایا جائے۔اعمال صالحہ کی خوبی ہی ثابت نہ کی جائے۔بلکہ ان کی طرف رغبت اور شوق کو پیدا کیا جائے ایسے انداز اور طریقہ کار اختیار کئے جائیں جن سے قلوب واذہان مانوس ہو جن سے تحریک وتشویق پیدا ہوں اور دعوت میں خیر خواہی، تالیف قلبی اور باہم محبت کی فضا ہو ایسی تڑپ اور دلسوزی

سے دعوت دی جائے کہ مخاطب یہ سمجھ لے اور محسوس کرے کہ ناصح کے دل میں اس کی اصلاح کے لئے تڑپ موجود ہے۔ اور حقیقت میں اس کی بھلائی چاہتا ہے۔ داعی اعظم ﷺ کی زبان وحی ترجمان سے اصول دعوت کا طریقہ بھی معلوم ہوا کہ کس طرح لوگوں کو حق وصداقت کے قبول کرنے کی دعوت دینا ہے۔ اور پھر آپ ﷺ کی سیرت طیبہ کے عملی پہلو بھی ہمارے لیے مینارہ نور ہیں۔ آپ ﷺ نے حکیمانہ انداز میں دعوت وتبلیغ کا فریضہ سرانجام دیا۔ قرآن حکیم نے اس اصول کا ذکر یوں کیا ہے:

ادع الیٰ سبیل ربک بالحکمة والموعظة الحسنة
وجادلهم بالتی هی احسن(۴۹)

اہل ایمان کو تین اصول سکھائے گئے ہیں۔ کہ عقل وحکمت، عمدہ نصیحت، مجادلہ احسن سے دعوت کا فریضہ سرانجام دو۔

تبلیغ ودعوت کی جڑیں اس وقت تک مضبوط نہیں ہوتیں اور اس کی شاخیں پھیل کر پھل نہیں دیتیں جب تک اس کی اساس پختہ دلیل نہ ہو حضرت عاصم اشعریؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول ﷺ کو یہ الفاظ کہتے سنا کہ آپ یہ کہنا چاہتے تھے کہ سفر میں روزہ رکھنا کوئی نیکی نہیں ہے اصل میں اشعریوں کی لغت میں لام کو میم سے تبدیل کردیا جاتا ہے۔ یعنی رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے زبان اطہر سے جو الفاظ نکالے اس میں مقام تو لام کے استعمال کرنے کا تھا مگر میم سے جملہ تلفظ فرمایا۔ آپ ﷺ نے اپنے لہجے کو چھوڑ کر مخاطب کی لغت میں بات کی جس میں زیادہ اپنائیت معلوم ہوتی تھی۔ بلاشبہ اس سے مخاطب پر ایک خوشگوار اثر پڑتا ہے۔

آپ ﷺ حضری وشہری لوگوں سے ان کے انداز ومعیار کے مطابق گفتگو فرماتے اور بدوی سے اس کی ذہنیت کے مطابق بات کرتے اس کی بہترین مثال حضرت ابوھریرہؓ کی روایت سے ملے گی جس میں بنی فزارہ کے ایک شخص کا ذکر کیا گیا ہے۔ جو بدوی تھا ان کا کہنا ہے۔ کہ یہ شخص آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ میرے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا ہے۔ جو سیاہ رنگ کا ہے۔ میں نے اسے قبول کرنے سے انکار کردیا ہے۔ کیونکہ ہم میاں بیوی میں کوئی بھی سیاہ

رنگ کا نہیں ہے۔ آنحضرت ﷺ نے اس کے سمجھ بوجھ اور پیشہ کے مطابق جواب مرحمت فرمایا اس سے پوچھا۔ ھل لک من ابل ۔ کیا تمہارے پاس اونٹ ہیں؟ اس نے کہا جی ہاں آپ ﷺ نے پھر دریافت فرمایا وہ کس رنگ کے ہیں؟ اس نے کہا سرخ رنگ کے۔ آپ ﷺ نے اس پر سوال کیا کہ ان میں کوئی اور خاکستری رنگ یا کم سیاہ رنگ کا کوئی اونٹ بھی ہے؟ اس نے کہا جی ہاں ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا اب تم ہی بتاؤ کہ سرخ رنگ کے اونٹوں میں یہ سیاہی کیسے آ گئی؟ اس نے جواب میں کہا کہ ممکن ہے اس کے نسب میں کوئی اونٹ خاکستری یا سیاہ رنگ کا ہو اور یہ اس کی جھلک ہو جب بات یہاں پہنچ چکی تو آپ ﷺ نے یہ کہہ کر اس کے شبہ کو دور کر دیا۔ کہ وھذا عسیٰ ان یکون نزعہ عرق۔ کہ یہاں بھی معاملہ ایسا ہو سکتا ہے کہ یہ نسب کا کرشمہ کارفرما ہو اور اس میں تمہاری بیوی کا کوئی قصور نہیں ہو۔ چنانچہ وہ بدوی مطمئن اور خوش ہو کے چلا گیا۔ سوال کا مفہوم ایک ہی ہے گو الفاظ قدرے مختلف ہیں۔ لیکن جواب بالکل مختلف ہے۔ یہ سائل کے ذہنی رجحانات وقلبی کیفیات کے مطابق ہے بعض اوقات رسول ﷺ نے ایک ہی سوال پر دو مختلف افراد کو مختلف جوابات دیئے ہیں۔ مثلاً امام احمد بن حنبلؒ روایت کرتے ہیں۔

عن عبد اللہ بن عمر وبن العاص قال کنا عند النبی ﷺ فجاء شاب فقال یا رسول اللہ اقبل وانا صائم؟ فقال لا فجاء شیخ فقال یا رسول اللہ اقبل وانا صائم؟ قال نعم فنظر بعضنا الیٰ بعض فقال رسول اللہ ﷺ قد علمت نظر بعضکم الیٰ بعض ان الشیخ یملک نفسہ۔

آپ ﷺ کی دعوت کی ایک اہم بات اور اصول مخاطب کا معیار تھا کہ سننے والے کی استعداد کیا ہے۔ آپ بدوی اور شہری، پڑھا لکھا اور ان پڑھ، عقل وتجربہ کے مختلف مدارج والے انسانوں کو مختلف طریقوں سے دعوت دیتے تھے۔ ایک واقعہ سے مزید اس کی شہادت ملتی ہے۔

عن امامة الباھلی رضی اللہ عنہ ان فتی من القریش اتی النبی ﷺ فقال یا رسول اللہ ﷺ ائذن لی فی الزناء فا

قبل القوم علیه وزجروه فقال مه مه فقال ادنه فدنا منه قریبا فقال حبه لا مک ؟ قال لا واللّٰه جعلنی اللّٰه فداک قال ولا الناس یحبو نه لا مها تهم قال اتحبهٔ لا بنتک قال لا واللّٰه یار سول اللّٰهِ جعلنی اللّٰه فداک قال ولا الناس یحبو نهم لبنا تهم ثم ذکر رسول اللّٰه ﷺ اخته وعمته وخالته وفی کل ذلک یقول الفتیٰ مقالته لا واللّٰه یا رسول اللّٰه جعلنی اللّٰه فداک قال فو ضع یده علیه وقال الّٰھم اغفر ذنبه وطهر قلبه وحصن فرجه قال الراو ی فلم یکن بعد ذلک الفتی یلتفت الی شیءٍ(۵۰)

امام باہلیؓ سے روایت ہے کہ ایک قریشی نوجوان آنحضور ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا حضور! مجھے زنا کی اجازت دیں تمام لوگ اس پر جھپٹے اسے سخت سست کہا اور اسے بات کرنے سے روکا۔ آپ ﷺ نے اسے قریب کیا وہ آپ کے قریب ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا کیا تم اپنی والدہ کے لئے اسے پسند کرو گے؟ کہنے لگا اللہ تعالیٰ مجھے آپ پر قربان کریں خدا کی قسم ہر گز نہیں آپ ﷺ نے فرمایا کہ لوگ بھی اپنے ماؤں کے لئے اسے ناپسند کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا اسے اپنی بیٹی کے لئے پسند کرو گے؟ کہنے لگا ہر گز نہیں آپ ﷺ نے فرمایا کہ لوگ بھی اپنی بیٹیوں کے لئے اسے ناپسند کرتے ہیں۔ پھر آپ ﷺ نے اس کی بہن، پھوپھی، خالہ کا ذکر کیا اور ہر مرتبہ وہ مذکورہ جواب دہراتا رہا۔ حضور ﷺ نے اس کے دل پر اپنا ہاتھ رکھا اور فرمایا اے اللہ اس کے گناہ کو بخش دے اس کے دل کو صاف کر دے، اور اس کی قوت جنسیہ کو محفوظ کر دے۔ راویؒ کہتے ہیں کہ اس نوجوان نے اس کے بعد کبھی کسی کی طرف التفات نہیں کیا اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ مخاطب کی نفسیات اور ذہنی مرتبہ کو کتنی اہمیت دیتے ہیں۔ بعض اوقات آپ ﷺ بدوی زبان میں گفتگو فرماتے تھے۔ مخاطب اپنی زبان سن کر خوش ہو جاتا اور بات کو بہتر طریقے سے سمجھ

جاتا تھا۔ خطیب بغدادیؒ نے اپنے سسر سے عاصم الاشعریؓ کا قول نقل کیا ہے۔ کہ انہوں نے رسول اکرم ﷺ کو دوسرے قبیلہ کے مخصوص لہجے میں بات کرتے سنا:

عن عاصم الاشعر ی قال سمعت رسول الله ﷺ يقول ليس من امبر امصيام في امسفر اراد ليس من البر الصيام في السفر.

رسول اللہ ﷺ کی دعوت میں ایسے اوصاف تھے جو عقل کو قبولیت پر آمادہ کر دیتے آپ ﷺ پیام حق کی اشاعت کے لئے ایسے طریقے اپناتے تھے جو یقینی کامیابی کے ضامن ہوتے موقع کے مطابق گفتگو فرماتے اور مطالب کو اس کے شایان شان پیرائے دیتے ہر قبیلے سے اس کی ذہنی سطح پر اہم آہنگ ہو کر کلام کرتے ۔ کتب سیر واحادیث کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ آپ ﷺ دعوت وتبلیغ مخاطب کی ذہنی وجسمانی طاقت، ان کی فطری صلاحیت، ان کے مزاج وطبیعت کو مدنظر رکھتے ۔ دعوت کے یہ تمام حکیمانہ اسلوب آپ ﷺ کو ودیعت کئے گئے تھے۔ مثلاً آپ ﷺ چشم دید مشاہدے کے لئے کسی چیز کی ظاہری ہیت کی طرف اشارہ کرتے یا اس کے پاس کھڑے ہو جاتے اور پھر اس سے اپنی بات مستنبط کرتے تھے۔

ایک بار آپ ﷺ کا بازار سے گزر ہوا۔ بازار ایک چھوٹی موٹی دنیا ہے کوئی خریداری کرتا ہے اور کوئی بیچتا ہے ایک اپنے سامان کا بھاؤ اور قیمت کا اعلان کرتا ہے۔ تو دوسرا اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے آپس میں ایک دوسرے سے بڑھنے کا جذبہ پیدا کرتا ہے۔ غرض کہ ہر ایک اپنے کام میں مشغول ہوتا ہے۔ ایک شخص نفع کمانے کی دھن میں رہتا ہے تو دوسرا سستا سامان خریدنے کی فکر میں رہتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے سوچا کہ لوگوں کو اس دنیا کی قدر وقیمت بتائی جائے جس پر یہ ٹوٹ رہے ہیں چنانچہ ایک کان کٹی بکری کے بچہ کی لاش سے گزر ہوا تو آپ ﷺ نے اپنے ساتھیوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ لوگوں کے ہاں اس مرے ہوئے بچے کی کیا قدر وقیمت ہے؟

عن جابر ان رسول الله ﷺ مر بالسوق والناس الخ

فمر بجدی فتنا وله باذنه ثم قال ایکم یحب انّ هذا له بدرهم فقالو ا ما نحب انهٔ لنا بشیءٍ وما نصنع به ؟ قال اتحبون انه لکم ؟ قالو ا والله لو کان حیا لکان عیباً فیه لانه الخ فکیف وهو میت فقال فوا الله الدنیا اهو ن علی الله ع وجل من هذا اعلیکم .

آپ ﷺ نے حکمت سے دنیا کی قدر و قیمت واضح فرمادی اور ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کی عظمت اور بے نیازی کی عظیم صفت کو عمدہ طریقے سے ذہن نشین کرادیا۔

اور مخاطب فوراً قبول کرتا ہے۔ حضور اکرم ﷺ کا نفسیاتی اور دعوتی اسلوب ایک یہ بھی تھا کہ آپ ﷺ مختلف اوقات میں ایک سوال کے مختلف جوابات دیتے۔ مثلاً ایک شخص آتا ہے۔ وہ سب سے افضل اعمال کے بارے میں سوال کرتا ہے آپ ﷺ اس کو جہاد کا عمل بتاتے ہیں دوسرے کو صلہ رحمی کا کہتے ہیں ہمیں بظاہر ان اقوال میں تضاد نظر آتا ہے۔ مگر حقیقت میں یہ جوابات مخاطب کے ذہن حالات اور نفسیات کو سامنے رکھ کر دیئے گئے ہیں صحیح بخاری میں ہے۔

عن ابی موسی قال یا رسول الله ايّ الا سلام افضل قال من سلم المسلمون من لسا نه وید ہ . (۵۱)

ایک اور سوال یہ ہوا کہ:

عن عبد الله بن عمرؓ ان رجلا سال النبی ﷺ ايّ الا سلام خیر قال تطعم الطعا م وتقر ءُ السلام علیٰ من عر فت ومن لم تعرف.(۵۲)

آداب دعوت اور داعی کی صفات:

دعوت کے آداب مختلف پہلوؤں پر مشتمل ہیں۔ مثلاً دعوت کیا ہوگی داعی کن اوصاف کا حامل ہونا چاہیے۔ جس کو دعوت دی جاتی ہے اس کی شان سے متعلق چند باتیں، آداب دعوت کے عنوان کے تحت شامل ہوں گی۔ پہلی بات کہ دعوت کیا ہوگی؟ جو دعوت دین اسلام کی طرف دی

جاتی ہے وہ موضوع سخن ہے۔ چنانچہ

"دکتور محمد حسن الحمصی الدعوة و الدعوة الا سلامیه المحا ضرة"

میں دین اسلام سے متعلق آیات نقل فرماتے ہوئے لکھتے ہیں۔:

ومن یبتغ غیر الا سلا م دینا فلن یقبل منه. الا یه وهذا الدین الذی تدورحولها الدعوة یشمل علی الا مورالو ئیسیة التا لیه(۵۳)

ا): العقیدة ، علیٰ معنی "ان الدعوة هنا لبیان تشریعات اللّٰه تعالیٰ من صوم وصلوة وزکوة وبیع وزواج وسلم وحرب وغیرها"وذلک یکون بالقیام بتعلیم هٰذه الا مور التی شر عها الدین الحنیفة وشر حها، وبیان الحکمة منها والا سرار التی تنطوی علیها.

۲): الا داب والقیم وانواع السلوک بشکل عام علیٰ معنی ان الدعوة تترکر کواعلیٰ بیان هذهِ الا داب وشرح محاسنها ومذا یا ها. (۵۴)

سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز اپنی کتاب "الدعوة الهیٰ واخلاق الدعوة" میں فرماتے ہیں کہ (الا مر الثالث: بیا ن الا مر الذی یدعیٰ الیه)

ا):صفت عفوودرگزر:

داعی کومخاطبین کی طرف سے کسی قسم کی ناگواری دیکھنے میں آئے تو عفوودرگزر سے کام لیں۔اوران کی بری خصلتوں اورکمزوریوں پرچشم پوشی سے کام لیں۔

خذالعفو وامر بالعرف واعرض عن الجاهلين () واعف عنهم واستغفر لهم وشاورهم في الامر.(۵۵)

مذکورہ آیات مبارکہ سے یہی مستفاد ہوتا ہے کہ داعی حق کو عفو ودرگزر سے کام لینا چاہیئے۔

۲):صفت تواضع وانکساری:

داعی کا صفت تواضع کے ساتھ متصف ہونا بھی ضروری ہے تاکہ اس کے ذریعے سے فضائل کے وہ درجات پاسکے جن کے راستے میں عجب اور خود پسندی مانع ہوا کرتی ہے نبی اکرمؐ نے عجب اور خود پسندی کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے کہ

ان العجب ليا كل الحسنات كما تا كل النا، الحطب.(۵۶)

مسلم میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

وما تواضع احد الا رفعه الله.

۳:صفت عفت وپاک دامنی زہد وتقویٰ:

ان صفات سے متصف ہونا اس لئے ضروری ہے کہ دنیاوی حرص اور شہوت پرستی یہ تمام چیزیں انسان کو حق سے دور کردیتی ہیں۔اور باطل کے قریب لاکر کھڑا کردیتی ہیں۔

۴:صفت قوت وعزیمت/استقلال:

مبلغ وداعی کو ہر ایسی خصلت کا جامع ہونا چاہیے جس کے ذریعے۔**علی الکمال فریضہ منصبی** کو بجالاسکے۔منجملہ ان کے جسمانی قوت،طاقت بھی ہے۔اس قوت وطاقت کے لئے جسمانی صحت کی رعایت ونگہداشت بھی ہونا چاہیے۔ورنہ داعی دعوت ومسئولیت کے بوجھ کا متحمل کس طرح ہوگا۔اسی کے پیش نظر آپ ﷺ نے قوی وطاقتور مومن کو کمزور سے برتر قرار دیا۔اس حدیث سے جہاں جسمانی قوت محدثین مرادلی ہے،وہاں قوت ارادہ واستقلال بھی

مراد لیتے ہیں۔

المؤمن القوی خیر واحب الیّ من المؤمن الضعیف وفی کل خیر ..... (۵۷)

۵:صفت القناعۃ :

دنیا کی حرص انسان کوخیر وبھلائی سے دور کردیتی ہے۔اور ہر قسم کی برائی کا ذریعہ بن جاتی ہے،اور صفت قناعت،نیکیوں کا دروازہ اور دین کے لئے محنت ومشقت برداشت کرنے کا حوصلہ پیدا کردیتا ہے۔

قوله علیه السلام : حب الدنیا راس کل خطیئة. (۵۸)

اس لئے داعی کے لئے ضروری ہے۔کہ دنیا کی حرص سے بیگانہ ہوجائے۔اور جس قدر رزق میسر ہو اسی پر قناعت کریں تاکہ خیر وبھلائی کے قریب ہو بصورت دیگر منفی نتائج برآمد ہوں گے۔

۶:صفت الصبر :

صبر ایک ایسا وصف ہے جس کی تلقین انبیاء علیہم السلام اور جملہ داعیان ادیان کو کی گئی ہے۔کیونکہ بعض یا بہت کم ایسے ہوں گے جنہیں قوم اور مخاطبین کے چیلنجوں کا سامنا نہ کرنا پڑا ہو بلکہ ہر ایک کو ذہنی اور جسمانی ایذائیں پہنچائی گئیں جن کے نتیجے میں ردعمل کے طور پر فطری حمیت مقابلہ یا جوابی کاروائی کے لئے اجاگر اور بیدار ہوسکتی ہے۔یا مقابلہ وجواب کے بجائے انہیں دعوت دینا ہی چھوڑ دے لیکن انبیاء کرام علیہم السلام نے اپنے ہدف اور منزل مقصود تک پہنچنے کے لئے درمیانی عرصہ کی تمام تر مشکلات پر انتہائی صبر واستقلال سے کام لیا۔اس لیے ایک کامیابی کا طلب گار داعی صبر کے زیور سے مزین آراستہ ہو کر ہی خود کو کامیاب داعی ثابت کرسکتا ہے۔ورنہ نہیں۔صبر کو دعوت کی کامیابی کے اندر چونکہ خاص اہمیت حاصل ہے۔اس لیے قرآن کریم میں صبر کی فضیلت کے ساتھ ساتھ ترغیب وتلقین سے متعلق بھی مختلف مقامات پر جابجا حق تعالیٰ کے

ارشادات منقول ہیں۔

۱ – انما یوفیٰ الصا برون اجر هم بغیر حساب(۵۹)
۲–ولمن صبر وغفران ذلک لمن عزم الا مور (۶۰)
۳–فاصبر کما صبر اولو العزم من الرسل ولا تستعجل لهم(۶۱) ۴– وجعلنا منهم أئمة یهدون بامرنا لما صبروا(۶۲) ۵–یبنی اقم الصلاة وامر بالمعروف وانه عن المنکر واصبر علی ما اصابک(۶۳) ۶–ولقد کذّبت رسل من قبلک فصبروا علی ما کذبوا واوذو حتی اتا هم نصر نا(۶۴)

۷:صفت قوت بیان:

دین کی تبلیغ ودعوت میں دیگر وسائل کی بنسبت تحریر اور تقریر خاص اہمیت کے حامل ہے کہ خطابت اور بیان کے ذریعے انسان اپنے مافی الضمیر کا اظہار کرسکتا ہے۔ اور دعوت کو بہترین پیرائے میں پیش کرنے کی اس طرح صلاحیت حاصل کرسکتا ہے۔ جو مخاطبین کے لئے وقیع اور جلد موثر ثابت ہوسکے۔ قرآن کریم میں متعدد مقامات پر اس کی ضرورت ہونا ظاہر ہوتا ہے۔ مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام زبان کی فصاحت بیان کی وضاحت کے لئے: " واحلل عقدة من لسانی " کا سوال کیا اور اپنے بھائی کے حق میں نبوت کی عظیم سفارش کرنے کے لئے ان کی فصاحت زبانی کو ذریعہ وعلت کے طور پیش کیا۔

اخی هٰرون هوا فصح منی لسانا (۶۵)ویضیق صدری ولا ینطلق لسانی (۶۶)

فرعون نے موسیٰ علیہ السلام پر اپنی فصاحت وسلاست لسانی کی بنیاد پر تفصیل دینا چاہی۔

ام انا خیر من ھٰذا الذی ھو مھین ولا یکا د یبین (٦٧)

حق تعالیٰ نے اپنے بندوں پر اپنے احسانات جتلاتے ہوئے بیان کی صلاحیت کا ذکر کیا ہے۔

الرحمن علم القرآن خلق الانسان علمه البیان (٦٨)

نسوانیت کی کمزوریوں میں اس کو بھی شمار کیا کہ وہ قصہ میں واضح طور پر مخاطبت نہیں کر سکتی ہیں۔

او من ینشؤا فی الحلیة وھو فی الخصام غیر مبین(٦٩)

۸:صفت وقار:

وقار ایک ایسی نعمت خداوندی ہے جس کے ذریعہ انسان مخلوق کے درمیان خصوصی مقام حاصل ہے۔

جس کے بعد اشفاع واستفادے کے لئے مرکز توجہ بن جاتا ہے۔اس لئے ایک داعی حق کی طبیعت میں وقار کا ہونا بھی لازم ہے۔یعنی فضول گوئی، بے جا اشارات وحرکات سے بچے اور طالب یا سائل کی طرف بھرپور توجہ کرے۔تمام کاموں میں جلد بازی اور چھچھورے پن سے احتراز کرے۔بے جا اور غلط قسم کی ہنسی مذاق یا ایسے لوگوں سے میل جول رکھنا یا ایسی مجالس ومحافل میں شرکت کرنا یہ تمام امور وقار کے منافی ہیں اس لیے داعی کے لئے ان سے بچنا لازمی ہے۔

۹:صفت تقویٰ:

حق تعالیٰ کی اطاعت گزاری کے ذریعے اس کی ناراضگی سے بچنا تقویٰ کہلاتا ہے۔ اس کی بدولت رب تعالیٰ داعی کی زبان میں وہ تاثیر پیدا کرتے ہیں۔جو اپنا اثر فوراً دکھاتی ہے۔ قرآن کریم نے مختلف مقامات پر تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔

یا یھا الذین امنو اتقوا اللّٰہ وقولو قولا سدیدا۔ (٧٠) یا

یھا الذین امنوا ان تتقوا اللّٰہ یجعل لکم فرقانا...
الایۃ(۷۱)

نبی کریم ﷺ اس کی باقاعدہ دعا کیا کرتے تھے۔

اللّٰھم انی اسئلک الھدیٰ والتقیٰ والعفیٰ والغنیٰ (۷۲)

تقویٰ کا ایک دوسرا مفہوم یہ ہے کہ حرام تو کیا مشتبہات سے بھی بچنے کا اہتمام کیا جائے۔ یہ تقویٰ کہلاتا ہے اور یہ کہ شک وشبہات کے مقامات سے بھی دور رہے۔ ورنہ اس کا اخلاص مشکوک ہوگا۔ جس کے نتیجے میں دعوت کمزور ہوگی۔ اور اس کی قبولیت بھی اسی شان کی ہوگی۔

۱۰: صفت صدق / سچائی:

وثوق واعتماد اور حقیقت کو تسلیم کرانے میں سچائی بہت اہم ہے صدق دعوت کی ایک ایسی ضرورت ہے کہ اسی کے ذریعے اپنی دعوت کی حقیقت وصداقت میں اعتماد دلایا جاسکتا ہے۔ قرآن کریم صادقین (سچوں) کی معیت اختیار کرنے کا حکم دیتا ہے۔

(کونوا مع الصادقین. (۷۳) وقولو اقولا سدیدا .

اور حدیث شریف میں صدق کو بھلائی کا واسطہ، ذریعہ قرار دیا ہے۔

(ان الصدق یھدی الی البروان البر یھدی الی الجنۃ
وان الرجل لیصدق حتی یکتب عند اللّٰہ صدیقاً وان
الکذب یھدی الی الفجور وان الفجور یھدی الیٰ النار
وان الرجل لیکذب حتیٰ یکتب عند اللّٰہ کذابا (۷۴)

یہ وہ وصف ہے جس کے ذریعے داعی مختلف دلوں کو متحد کر لیتا ہے۔ اور اس کی بدولت انسان کا مزاج اس قدر ٹھوس اور مضبوط ہو جاتا ہے۔ کہ وہ مختلف الانواع سخت ترین مواقع کا مقابلہ کرنے میں دشواری نہیں کرتا۔ اس لیے داعیان کے لئے لازمی ہے کہ بردباری عفوودرگزر کو اپنا

مزاج بنائے۔ غیض وغضب اور انتقام سے قطعاً پرہیز کریں اس لیے کہ انہی چیزوں کی وجہ سے مدعو ین میں نفرت کی لہر دوڑنے لگتی ہے۔ اور دعوت پر کان دھرنے اور اس کے سمجھنے کی امیدیں خاک میں مل جاتی ہے۔ اس لیے قرآن میں اس کی ترغیب بھی مذکور ہے۔

ولیعفوا ولیصفحوا الا تحبون ان یغفر اللّٰہ لکم واللّٰہ غفور رحیم (۷۵)

ادھر داعی اول حضرت پاک ﷺ کو پہنچنے والی ایذاؤں کا موازنہ کیجئے۔ اُدھر آپ ﷺ کی بردباری کا اندازہ لگایئے۔ حضرت سفیانؓ آپ ﷺ کو ایذائیں پہنچانے میں جنگی مقابلوں، محاربوں میں سپہ سالار کی حیثیت سے کیا کرتے تھے۔ اور ہر طرح کی ایذارسانی کو باعث تسکین سمجھتے تھے۔ لیکن آپ ﷺ نے ان کی تمام تر جنایات اور زیادتیوں کو معاف فرمایا اور مزید اعزاز دیتے ہوئے آپؐ کے گھر کو بیت الامن (امن کا گہوارہ) قرار دیا۔

اگر داعی بردباری سے عاری ہو تو یہی نہیں کہ وہ اس کے نتیجے میں اپنے مقصد تک نہیں پہنچ سکے گا۔ بلکہ لوگ اس کے قریب بیٹھنا بھی ترک کردیں گے۔

ولو کنت فظاً غلیظ القلب لا نفضو من حولک. (۷۶)

۱۱: صفت حفاظت وبچاؤ:

مخالفین کی ہٹ دھرمی اور مخالفت بسا اوقات اچھے ہتھکنڈوں کی طرف لے جاتی ہے۔ اور وہ مخالفت میں آکر داعی کو روکنے کی کوشش کرتے ہیں اور داعی کے خلاف کسی بھی قسم کی گرفت اور کاروائی کرگزرنے پر آجاتے ہیں۔ ایسے میں داعی خود کو ہلاکت کے منہ میں دینے کی بجائے اس سے بچاؤ کا راستہ اختیار کرے قرآن کریم میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ کہ

یا یھا الذین امنوا خذوا حذ رکم فانفروا ثبا تاً او نفروا جمیعاً (۷۷)، واعلموا ان اللّٰہ یعلم مافی انفسکم فا حذروہ (۷۸)

خود داعی اول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت قریش پر گراں گزرنے لگی اور وہ آپ ﷺ کو مختلف طمع ولالچ کے ذریعے مقصد اصلی سے ہٹانے میں ناکام ہوگئے۔ تو قتل کی سازش کی۔ اور آپ ﷺ کے دروازے پر گھات لگائے ہوئے تھے۔ جب حضورؐ نے یہ دیکھا تو حضرت علیؓ کو اپنی چادر میں اپنے بستر پر لٹا کر خود چل دیئے۔ خذارا اور وقار یہ صرف یہی نہیں کہ آدمی خود کو ہلاکت کے منہ سے بچائے۔ بلکہ یہ بھی اس میں داخل ہے۔ کہ اپنے نفس کو معصیت میں مبتلی ہونے سے محفوظ رکھنے کی سعی وکوشش کرے۔ اہل واولاد کے فتنے اور خواہشات کی اتباع میں مبتلا ہونے سے بچے۔

۱۲: صفت الامانۃ:

صفت امانت سے متصف ہونا شاق ہے۔ مگر کامیاب داعی کے لئے اس کا ہونا انتہائی ضروری ہے۔ جس شخص میں یہ وصف پیدا ہو جائے۔ وہ اپنے تمام واجبات کی ادائیگی خوش اسلوبی سے نبھائے گا۔ بالخصوص دین متین کی امانت کی ادائیگی میں انتہائی اہتمام سے کام لے گا۔ امانتداری کو ایمان کا معیار قرار دیا گیا ہے۔

قوله علیه الصلوة والسلام لا ایمان لمن لا امانةله .

اور قرآن کریم میں ارشاد ہے۔ کہ

ان اللّٰه یامر کم ان تؤدو الا منٰت الیٰ اهلها.(۷۹)

دوسرے مقام پر ارشاد ہے۔

انا عرضنا الا مانة علی السموٰت والارض (۸۰) ومن احسن قولا ممن دعا الی اللّٰه وعمل صالحا وقال اننی من المسلمین(۸۱)

ان آیات کریمہ سے یہ وضاحت ہوتی ہے کہ داعی ان مذکورہ صفات نفیسہ کا حامل ہونا چاہیے۔ اور اگر ان میں جبلی طور پر یہ اوصاف نہ ہوں تو بھی وہ ان اوصاف کے اتصاف میں اور

اپنے اندر پیدا کرنے میں آزادانہ کوشش کریں۔ گو یہ انتہائی شاق سہی لیکن مرتبہ دعوت اور ا
شان کی بڑائی کے آگے یہ مشقت ہیچ ہے۔ کیونکہ کلمہ دعوت کو بہترین کلمہ کہا گیا ہے

لقو له تعالیٰ ومن احسن قولا ممن دعا الی اللّٰه.

۱۳: صفت محبت:

داعی کے لئے ضروری ہے کہ جذبہ محبت سے سرشار ہو۔ اللہ جل جلالہ اور رسول ﷺ کی محبت جزء ایمان ہے۔ اس لیے آئندہ دلائل کی بناء پر امت مسلمہ کا اس فرضیت پر اجماع منقول ہے۔

وقوله تعالیٰ. والذین امنو اشد حبا للّٰه(۸۲) "یحبهم ویحبو نه(۸۳) قل ان کنتم تحبون اللّٰه فا تبعونی یحببکم اللّٰه(۸۴)وقوله صلی ﷺ لا یؤمن احد کم ان یکون اللّٰه ورسوله احب الیه من اهله وما له والناس اجمعین(۸۵)

غرض یہ کہ انسان کے اندر حق تعالیٰ کی محبت کا جذبہ محبوب کی شان وقدر کو سامنے رکھتے ہوئے ہونا چاہیے۔ یہاں تک کہ اس کو تمام تر مرغوبات اللہ کی محبت کے سامنے ہیچ دکھائی دیں او حق تعالیٰ کی منشاء کی بجا آوری میں کوئی چیز مانع نہ بن سکے۔

وقوله تعالیٰ قل ان کا ن آباء کم وابنا ؤکم واخوانکم وازواجکم وعشیرتکم واموال ن اقترفتمو ها وتجارة تخشون کساد ها ومسکن تر ضو نهآ. الیٰ احب الیکم من اللّٰه ورسوله وجهاد فی سبیله فتر بصوا حتی یاتی اللّٰه بامره (۸۶)

بلکہ حق تعالیٰ کی محبت اپنے نفس اہل، مال اور اولاد سے بھی زیادہ ہونی مطلوب ہے۔

ثلاث من کن فیه وجد حلاوة الا یمان ، ان یکون اللّٰه ورسوله احب الیه مما سواه.

۱۴: صفت فطانت اور مخاطب کی نفسیات کی معرفت:

تا کہ موقع ومحل کی مناسبت سے مخاطب کے مزاج کو دیکھ کر دعوت دے۔

۱۵: جسمانی صفات:

وہ صفات جن کا داعی میں پایا جانا ضروری ہے۔اور تبلیغی اجتماعات کی اعلیٰ کارکردگی میں ممد ومعاون بنتی ہیں۔ان میں جسمانی طور پر ہر ایسے مرض وعارضہ سے سلامتی میں ہونا بھی اشد ضروری ہے۔جو موذی ہو یا نفرت کا باعث ہو یہی وجہ ہے کہ حق تعالیٰ نے انبیاء کرام علیھم السلام کو حسب نسب، ظاہری وباطنی تمام تر عادات سے اس طرح صاف ستھرا کر دیا۔کہ کسی کو انگشت نمائی کا موقع ہی نہ مل سکے۔یہاں تک کی حسن ہیت کی ترغیب دی۔

قوله تعالیٰ وثیا بک فطهر (۸۷)

حضرت عمرؓ کی روایت میں حضرت جبرائیلؑ کا بہترین اعلیٰ لباس میں آپ ﷺ کے پاس آنے سے غرض یہی تھی اور ایک حدیث میں ہے۔

ان اللّٰه جمیل ویحب الجمال

۱۶: داعی کی اجتماعی صفات:

وہ صفات جن کا تعلق داعی کی ذات سے بڑھ کر مخاطبین تک جاتا ہے۔ان میں سے حسن اخلاق بھی ہے۔اسلام میں ایک عظیم مقام رکھتا ہے۔حضور اکرم ﷺ نے اپنی بعثت کا مقصد ہی اسے قرار دیا ہے۔

قوله علیه الصلوة والسلام: انما بعثت لا تمم مکارم الا خلاق.

ایک حدیث میں ہے دین کی تعریف ہی حسن خلق سے کی گئی۔

فقال، یارسول اللہ : ما الدین ؟ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حسن الخلق(۸۸)

لہٰذا حسن خلق داعی کے لئے اختیار کرنا ضروری ہے

۱۷: صلحاء کی صحبت:

فساق وعصاۃ (نافرمانوں) کی صحبت سے پرہیز کریں۔ کیونکہ آدمی کی حیثیت کی کسوٹی اس کے ہم نشین ہیں۔ اگر فساق وفجار کا مصاحب وہم نشین ہو تو لامحالہ ان سے متاثر ضرور ہوگا۔ اگر ایسا نہ ہو تو عوام کی نظریں رفقاء وجلساء کی صحبت پر ہوں گی۔ دعوت کا وقار ان کے دل میں نہ ہوگا۔ تو داعی کی اہمیت بھی نہ ہوگی۔ اس لئے داعی کے لئے ضروری ہے۔ کہ اس کے جلساء اور رفقاء بھی ایسے ہوں جن پر انگشت نمائی نہ ہو سکے۔ قرآن کریم میں حق تعالیٰ نے فساق اور معرضین (اعراض کرنے والوں سے) پہلوتہی کا حکم دیا ہے۔

فاعرض عمن تولیٰ عن ذکر نا ولم یردالا الحیوۃ الدنیا(۸۹) واذا خاطبھم الجاھلون قالوا سلاماً(۹۰)

۱۸: عہد کی پاسداری:

جس کے پاس عہد کا پاس نہ ہو اس کا دین نامکمل ہے۔ اس لیے ایک کامیاب داعی دین کے لئے انتہائی لازم ہے۔ کہ بذات خود دین پر کاربند ہو۔ بالخصوص عہد کی پاسداری جس کو دین کی پرکھ قرار دیا ہے۔

قولہ علیہ السلام . لا دین لمن لا عھد لہ عھد

سے متعلق قرآن کریم میں ارشاد ہے۔ کہ

واوفوابالعھد ، ان العھد کان مسٔو لہ . (۹۱)

۱۹: صفت جود وسخا:

سخاوت اہم ترین صفت ہے۔ جس کے ذریعے سخت دلوں کی نفرت کو دور کیا جاتا ہے۔

كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اجو دالناس كافة

سخاوت کند نیک بخت اختیار که مرد از سخاوت شود بختیار

یعنی سخاوت سے بندہ نیک بخت بن جاتا ہے۔ سخاوت انسان کے بہت سارے عیبوں کو چھپادیتی ہے۔

۲۰: صفت شجاعت و بہادری:

تاکہ حق کے اظہار میں پست زدہ نہ ہو اور اللہ کے دین کی اشاعت میں

لومة لائم

کی پرواہ نہ کرے

عن عبادہ بن صامتؓ قال بایعنا رسول اللہ ﷺ علی ان نقول بالحق این ما کنا لا نخاف فی اللہ لومة لائم(۹۲)

۲۱: صفت نظام:

نظم وضبط ایسی نعمت ہے جس کے ذریعے انسان کو اپنے مقاصد واہداف تک پہنچنے کے لئے کسی قسم کی ناخوشگوار صورتحال کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔ بالخصوص اسلام ہی نظام والا دین۔ اس کے ہر ہر رکن ادائیگی کے لئے نظام موجود ہے۔ نماز کی ادائیگی ہو یا فریضہ زکوۃ سے سبکدوشی سارے اعمال ایک نظام کے تحت ادا ہوتے ہیں۔ اسی طرح داعی اسلام کے لئے بھی ایسے نظام الاوقات کا ہونا ضروری ہے۔ جس میں اس کا دن اور وقت اجزاء پر منقسم ہو، ایک حصہ اپنے واجبات کی ادائیگی کے لئے ایک نفس کے آرام کے لئے ایک جزء اہل خانہ کے لئے اور ایک حصہ عبادت کے لئے اور ایک حصہ دعوت کے لئے ہونا چاہیے۔

بے عملی سبب ترک دعوت نہیں:

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے مضمون کی ایک اہم عبارت نقل کرتا ہوں۔ مگر اس

تقریر سے کہیں یہ نہ سمجھنا کہ اگر عمل نہ ہو۔ تو وعظ ہی نہ کہے۔ جیسا کہ بہت سے لوگوں کو یہ بھی غلطی ہو جاتی ہے۔ واقعی اس طریقہ میں ہر ہر قدم پر لغزشیں ہیں۔ جن سے بچنے کے لئے نہایت ہی صحیح علم کی ضرورت ہے۔

دراہ عشق وسوسہ ہر من بسے ست ہشد ارو گوش رابہ پیام سروش دار

دراہ عشق میں شیطانی وسوسے بہت ہیں۔ ہوشیار رہو اور اس کے احکام پر کان لگائے رہو۔

یعنی قدم قدم پر شیاطین کے وسوسہ ہیں۔ اُن سے ہوشیار رہو۔ اور اپنے کان وحی کی طرف لگائے رکھو۔ ایک وسوسہ تو یہ ہوا تھا کہ عمل نہیں کیا اور نصیحت شروع کی۔

دوسرا وسوسہ یہ ہوا کہ جس روز عمل کی ضرورت سمجھ میں آئی تو نصیحت ہی چھوڑ دی۔

جیسے ایک نیم ملانے گاؤں کے ایک چودھری کو مسئلہ بتایا کہ نیت کے بغیر روزہ نہیں ہوتا۔ اس نے پوچھا نیت کیا ہے؟ آپ نے کہا نیت یہ ہے۔

اللهم بصوم غد نويت.

دوسرے روز جو دیکھا تو چودھری مزہ سے بیٹھا حقہ پی رہا ہے۔ پوچھا ارے روزہ نہیں رکھا؟ اس نے کہا۔ صاحب! میں کیا کروں۔ بدون نیت روزہ ہوتا نہیں۔ اور نیت ابھی یاد نہیں ہوئی۔ اس میں اس کی بھی غلطی ہے۔ کہ یہ پھر مسئلہ پوچھ لیتا کہ اگر کسی کو نیت یاد نہ ہو۔ تو کیا کرے۔ اور مولوی صاحب کی بھی غلطی ہے۔ کہ خواہ مخواہ انہوں نے گنوار کو عربی میں نیت بتلائی۔ اوّل تو زبان سے کہنا ہی ضروری نہیں اور اگر کسی کو کہنا ہی ہے تو اُردو میں بھی کافی ہے۔ اس چودھری کی حالت ہم جیسے طالب علموں کی ہے۔

اگر غفلت سے باز آیا جفا کی تلافی کی بھی ظالم نے تو کیا کی

کبھی ایک غلطی میں مبتلا ہیں، کبھی دوسری غلطی میں اور ہماری حالت اکثر اُمور میں یہی ہے۔ کہ جو کام کریں گے۔ اس میں خرابی پیدا کرلیں گے۔ جیسے مولانا کا ارشاد ہے۔

چوں گرسنہ می شوی سگ می شوی چونکہ خوردی تند وبدرگ می شوی

جب تو بھوکا ہوتا ہے۔ تو کتے کی طرح بھونکنے لگتا ہے۔ اور جب پیٹ بھرا ہوتا ہے۔ تو اکڑتا ہے۔ اور متکبر ہو جاتا ہے۔ چنانچہ ہمارے بھوکے ہونے کے وقت کے اخلاق ماہ رمضان میں خوب ظاہر ہوتے ہیں۔ کسی کو تمباکو کی بھوک ہے۔ کسی کو حقہ کی، کسی کو افیون کی۔ اسی واسطے حق تعالیٰ نے ہمارے اخلاق کا انتظام ایسے مواقع میں خاص اہتمام سے فرمایا ہے۔ چنانچہ روزہ میں ارشاد نبوی ہے۔

واذا کان یوم صوم احدکم فلا یرفث ولا یصخب الحدیث.

اور جب تم میں سے کسی کا روزہ ہو۔ تو نہ تو بیہودہ اور فحش باتیں کرے اور نہ چیخے چلائے۔

حج میں مشقتیں بہت آتی ہیں اور اس لیے ذرا سی چیز لکڑی، پانی اور آگ پر جھگڑا ہو جاتا ہے۔ اس لیے اس اس کا انتظام اس آیت سے فرمایا۔

فلا رفث ولا فسوق ولا جدال فی الحج.(۹۳)

یعنی بے حیائی اور نافرمانی کی باتیں اور جنگ وجدال یا لڑائی جھگڑا حج میں نہیں ہے۔

دیکھیے یہ انتظام نماز کے متعلق نہیں فرمایا۔ کیونکہ نماز میں اتنے جھگڑے نہیں پیدا ہوتے اور یوں کسی کی طبعیت ہی خرابی ہو۔ تو وہاں بھی جھگڑے نکال لیتا ہے۔ مگر شاذ۔ جیسے ہمارے اضلاع میں ایک قصبہ کا واقعہ ہے۔ کہ دو شخص عیدگاہ کی امامت کے مدعی تھے۔ دونوں فریق جا کے مُصلے پر کھڑے ہو گئے۔ بعض مقتدی ایک طرف تھے اور بعض دوسرے کی طرف۔ گویا کچھ ان کے ووٹ دینے والے تھے۔ اور کچھ اُن کے غرض تمام صفوف میں دونوں کے مقتدین کا مجمع خلط ملط تھا۔ ایک نے اللہ اکبر کہا۔ تو دوسرے کے مقتدی یہ سمجھے کہ ہمارا امام کہہ رہا ہے۔ اور دوسرے نے کہا تو پہلے کے مقتدی سمجھے ہمارا امام کہہ رہا ہے۔ غرض بڑی پریشانی ہر جزو میں رہی۔ قومہ، رکوع، سجدہ، قعدہ سب میں یہی لطف رہا۔ ایک امام نے الحمد ختم کر لی۔ تو اب دوسرے کا انتظار ہے کہ یہ سورۃ چھوٹی پڑھتا ہے۔ یا بڑی۔ اگر بڑی پڑھے گا تو میں چھوٹی شروع کر دوں گا۔ تا کہ پہلے رکوع

میں کروں۔ بہر حال اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک رکوع میں پہنچا تو دوسرے کے بعض مقتدی غلطی سے رکوع میں جھک گئے تو پاس والا اس کے کہنی مارتا ہے۔ کہ یہ ہمارا امام نہیں۔ وہ بے چارہ پھر کھڑا ہوگیا۔ تو دیکھئے یہاں ان لوگوں نے نماز میں بھی جدال کھڑا کرلیا۔ مگر حج کے جھگڑوں کے مقابلہ میں مثال شاذونادر ہے۔ وہاں تو بات بات پر جھپٹنی ہے۔ حتیٰ کہ میں نے تو پیر و مرید میں بھی لڑائی ہوتے دیکھی۔ حالانکہ اس سے بڑھ کر دنیا میں کوئی علاقہ ادب واحترام کا نہیں ہوتا تھا۔ پیر خوش ہو کر لوٹ آئے تو صلح کرلی۔ پھر پیر ہوگئے اور مرید مرید ہوگئے۔ خوش اخلاق کیا تھے۔ بات یہ تھی۔ کہ انہوں نے سوچا کہ کچھ نہ کچھ فائدہ ہی ہے۔ کیوں اسامیاں کم کروں۔ غرض ایسے واقعات کے سبب حج میں فرمایا گیا۔ کہ ولا جدال فی الحج۔ علیٰ ہذا روزہ میں بھی ایسا ہے۔ کہ اوپر عرض کیا گیا ہے۔ کہ اس میں بھی ہمارے اخلاق ظاہر ہوتے ہیں۔

اس لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ کا بھی ایسا ہی انتظام فرمایا چنانچہ حدیث کا یہ بھی تتمہ ہے۔ کہ

"فان سا به احد " فليقل انى امرء" "صائم"

کہ جو روزہ رکھے اُسے چاہیے کہ غل شور نہ مچادے اور نہ ہی لڑے جھگڑے اور اگر کوئی اور لڑنے پر آمادہ ہو۔ تو کہہ دے کہ بھائی میرا تو روزہ ہے۔ علماء نے اس کی دو توجیہیں کی ہیں۔ بعض نے کہا ہے۔ کہ کہہ دینے کا مطلب یہ ہے۔ کہ زبان سے کہہ دے جیسا کہ ظاہر لفظ سے معلوم ہوتا ہے۔ اور بعض نے کہا ہے۔ کہ دل میں کہہ لے۔ کہ میرا تو روزہ ہے۔ میں لڑوں جھگڑوں گا۔ تو روزہ خراب ہوجائے گا۔ مگر میرے نزدیک فیصلہ بین القولین یہ ہے۔ کہ فرض میں زبان سے کہہ دے اور نفل میں دل سے کہہ لے۔

بہر حال یہ تو ہماری بھوک کی حالت تھی۔ اب پیٹ بھرنے کی سنیئے کہ کیسے اکڑ اکڑ کے چلتے ہیں۔

اور کیسے کیسے اتراتے ہیں۔ گویا اپنے اپنے ہی "میں نہیں ہیں۔ انہیں حالتوں پر نظر کرکے مولانا کا ارشاد ہے۔

چوں گرسنہ می شوی سگ می شوی چونکہ خوردی تند و بدرگ می شوی

جب تو بھوکا ہوتا ہے۔ تو کتے کی طرح بھونکنے لگتا ہے۔ اور جب پیٹ بھرا ہوتا ہے۔ تو اکڑتا ہے۔ اور متکبر ہو جاتا ہے۔

ہماری دونوں حالتیں محل ملامت ہیں۔ واعظ بنے تو عمل کا اہتمام نہیں تھا۔ اور اگر عمل کے لئے کہا گیا۔ تو وعظ ہی چھوڑ دیا کہ عمل تو ہوتا نہیں وعظ ہی کیا کہیں اور اگر وعظ سننے والے بھی یہی کہیں کہ جب عمل نہیں ہوتا۔ تو سُن کے کیا کریں گے۔ گویا دین کا یہ باب ہی مسدود ہو جاویگا۔ بعض تو یہاں تک غلطی میں ہیں۔ کہ اپنے وعظ کہنے کو شرعاً منہی عنہ سمجھتے ہیں۔ یہ اُس سے بھی بڑھ کر ہے۔ ان کا متمسک یہ ارشاد ہے۔

لـم تقولو ن مالا تفعلون کبر مقتا عند اللّٰہ ان تقولوا مالا تفعلون.

ایک دوسری آیت میں ہے۔ جو اس سے بھی صاف ہے:۔

اتا مرون الناس بالبر وتنسون انفسکم.

پہلی آیت کا ترجمہ یہ ہے۔ کہ اے ایمان والو! کیوں کہتے ہو۔ وہ جو کرتے نہیں۔ خدا کے نزدیک نہایت مبغوض و ناپسند ہے۔ کہ وہ کہو جو نہ کرو ایک تو اس آیت سے تمسک ہے اور دوسری آیت میں تو ظاہراً نصیحت بلا عمل ہی پر تصریحاً انکار ہے۔ اس لئے اگر اس سے شبہ پڑ وے تو کچھ بعید نہیں مگر پہلی آیت "لم تقولو الا یۃ" کی یہ تفسیر ہی نہیں۔

دعوت کی اقسام:

دعوت کی دو قسمیں ہیں۔ ۱دعوت حق: ۲دعوت باطل اور اسی طرح داعیان بھی دو طبقوا میں منقسم ہیں۔ عوام و خواص، ہر ایک قسم و طبقہ کا حکم اور تکلیف دوسرے سے مختلف ہے۔

دعوت باطل کا حکم:

دعوت باطل حرام ہے اس کی اجابت بھی حرام ہے۔

اولئک یدعون الیٰ النار واللّٰہ یدعو الیٰ الجنة والمغفرة (۹۴) تدعوننی لا کفر باللّٰہ واشرک بہ مالیس لی بہ علم (۹۵) یقوم مالی ادعو کم الی النجاة و تدعوننی الیٰ النار. (۹۶) لاجرم انما تدعوننی الیہ لیس لہ دعوة فی الدنیا ولا فی الاخرة (۹۷) یا یھا النبی اتق اللّٰہ ولا تطع الکافرین والمنافقین.

اس آیت مبارکہ میں اللہ جل جلالہ نے یہ وضاحت بیان فرمائی ہے کہ جہنم کی طرف دعوت اور شرک کی دعوت اور جرم کے ارتکاب کی دعوت دینا حرام ہے۔

دعوت حق کا حکم: قرآن کریم وسنت نبوی ﷺ واجماع کی روشنی میں:

دعوت حق فرض ہے۔ اور اس کی اجابت بھی فرض ہے۔

ادع الیٰ سبیل ربک بالحکمة و الموعظة الحسنہ(۹۸)

ادع الیٰ ربک ولا تکونن من المشرکین(۹۹) وادع الیٰ ربک انک لعلیٰ ھدی مستقیم (۱۰۰)

اس دعوت کا وجوب جس طرح آنحضرت ﷺ کے حق میں تھا۔ اسی طرح آپ ﷺ کی امت بھی تبلیغ دین اور دعوت حق کی لازمی طور پر مکلف ہے۔ قرآن وسنت اور اجماع امت سے اس پر واضح دلائل موجود ہیں۔

قرآن کریم سے دلائل:

۱) قل ھذہ سبیلی ادعوا لیٰ اللّٰہ علی بصیرة انا ومن اتبعنی وسبحان اللّٰہ وما انا من المشرکین(۱۰۱)

۲) وکذلک جعلنکم امة وسطاً لتکونوا شھداءَ علیٰ الناس ویکون الرسول علیکم شھیدا (۱۰۲)

۳) لقد كان لكم فی رسو ل الله اسوة حسنة لمن كان يرجو الله واليوم الاخر (۱۰۳)

۴) كنتم خير امة اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنهون عن المنكر وتؤمنون بالله ، ولو امن اهل الكتاب لكان خير الهم (۱۰۴)

۵) والمؤمنو ن والمؤمنت بعضهم اولياء بعض يامرون بالمعروف وينهون عن المنكر (۱۰۵)

٦) ولتكن منكم امة يدعو ن الیٰ الخير ويا مرو ن بالمعرف وينهون عن المنكر . (۱۰٦)

۷) وما كان المؤمنو ن لينفروا كا فة فلو لا نفر من كل فر قة منهم طائفة ليتفقهو ا فی الدين ولينذرو اقو مهم اذا رجعو ا اليهم . (۱۰۷)

سنت نبوی ﷺ وسیرت طیبہ ﷺ سے دلائل:

۱) من رای منكم منكرا فليغيره بيد ه فان لم يستطع فبلسا نه فا ن لم يستطع فبقلبه و ذلک أضعف الا يمان(۱۰۸)

۲)الدين النصيحة قلنا لمن يا رسو ل الله قال الله ولر سو له ولا ئمة المسلمين وعامتهم (۱۰۹)

۳)ان الناس اذا اتو المنكر ولم يغيروا اوشک ان يعمهم الله بعقا ب .(۱۱۰)

اجماع سے دلائل:

امت مسلمہ آج تک اس فریضے کو سرانجام دیتی چلی آرہی ہے۔خلفائے راشدین کا

طریقہ کار یہی رہا ہے۔اس کے بعد بھی یہ سلسلہ تا ہنوز جاری ہے۔جیسا کہ علامہ سرخسی رحمہ اللہ نے کتاب الایمان ودعوت الایمان میں صراحتاً ذکر کیا ہے۔

فرضیت کی نوعیت:

آیا دعوت وتبلیغ فرض عین ہے یا فرض کفایہ ہے؟ اس تفصیل کا اجمال یہ ہے کہ دعوت کے مکلفین دو طبقوں پر مشتمل ہیں۔علماء کے حق میں فرض عین کہا جائے گا۔البتہ عوام کے حق میں فرض کفایہ ہے۔دوسری تعبیر دعوت وتبلیغ خواص کے واجبات وفرائض میں ہے۔یا عوام بھی اس کے مکلف ہیں؟ اس بیان میں دونوں طرح کی آراء ملتی ہیں۔اور دونوں آراؤں کی بنیاد بھی قرآن وسنت پر ہے۔بعض علماء نے ہر مسلمان مکلف (خوہ مرد ہو یا عورت) پر دعوت وتبلیغ کو واجب وفرض قرار دیا ہے۔اس لئے وہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر یا دعوت وتبلیغ سے متعلق نصوص کے عمومات اور وجوب پر دلالت کرنے والے امر کے صیغوں سے استدلال کرتے ہیں۔مثلاً حجۃ الوداع کے موقع پر۔آپ ﷺ کا یہ ارشاد فرمانا کہ:

"فليبلغ الشا هد الغائب يا من راى منكم منكر أ فليغره بيده الخ"

وغیرہ الفاظ کے عموم سے استدلال کرتے ہیں۔جن میں حکم تکلیفی عام ہے۔نصوص کے ان عمومات میں حکم تکلیفی کا بعض کے ساتھ مختص ہونا اور بعض کے ساتھ مختص نہ ہونا قطعاً معلوم ومفہوم نہیں ہوتا ہے۔یعنی بعض مکلف ہون اور بعض نہ ہوں ایسی کوئی تفریق نہیں ہے۔

اور بعض علماء کرام کا دوسرا طبقہ اس بات کا قائل ہے۔کہ دعوت وتبلیغ فرض عین نہیں ہے۔بلکہ فرض کفایہ ہے۔اس کی تکلیف بعض کے ساتھ خاص ہے، بعض کی موجودگی میں اس تکلیف اور فرضیت سے مستثنیٰ قرار دیئے جائیں گے۔ان پر یہ ذمہ داری عائد نہیں ہوگی۔جن کی تعبیر انہوں نے یہ بھی کی ہے۔کہ یہ فرض کفایہ ہے۔اس کی فرضیت ووجوب صرف خواص اور اہل علم کو شامل ہوگی۔عامۃ الناس اس کے مکلف ہیں نہ خواتین اور دیگر وہ مکلفین جنہیں کسی ضرورت ومصروفیت نے اس کی بجا آوری سے باز رکھا ہو۔ان حضرات نے اپنی رائے کی بنیاد آئندہ دلائل

پر رکھی ہے۔

ولتکن منکم امة یدعون الیٰ الخیر

اس آیت کریمہ کے ظاہر سے استدلال کیا ہے اور انہوں نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں دعوت کی فرضیت ووجوب کو سب پر عائد نہیں فرمایا بلکہ

ولتکن منکم میں من تبعیضیه

ہے۔جس کا معنی یہ ہوگا کہ

ولتکن بعضکم قائمین لهٰذه الدعوة

جیسا کہ امام قرطبیؒ نے فرمایا ہے۔

ومن فی قوله منکم لتبعیض ومعنا ہ ان الا مرین یجب ان یکونو اعلماء ولیس علی کل الناس

الغرض اس کی فرضیت میں نوعیت کا اختصاص ضرور ہے۔

وما کان المؤمنو ن لینفرو ا کافة فلو لا نفر من کل فرفة منهم طائفة لیتفقهوا فی الدین ولینذر واقومهم اذا رجعو ا الیهم لعلهم یحذرون.

اس آیت مقدسہ میں سب پر نہیں بلکہ ان میں سے ایک طائفہ پر ذمہ داری عائد کی گئی ہے۔لیکن مفسرین اور محدثین حضرات نے اس کی تصریح کی ہے۔کہ اس کا یہ مفہوم نہیں لینا چاہیے کہ انفرادی دعوت کی کوئی حیثیت ہی نہیں کیونکہ خواص کے ساتھ اجتماعی دعوت کے اختصاص سے تو یہی معلوم ہوگا کہ عوام کے ذمہ سے فریضہ تبلیغ ساقط ہو جائے یہ مطلب نہیں کہ عوام اس کی طرف توجہ ہی نہ دیں بلکہ ان کے لیے بھی شرعی ذمہ داری ہے کہ وہ بھی دعوت حق میں اپنی شرعی ذمہ داری پوری کریں۔اور سرکاری سطح پر اس ذمہ داری سے غفلت کے نتیجے میں عوام کو بھی چاہیے کہ وہ خواص کے شانہ بشانہ اس میں حصہ لیں عوام کو دائرہ کار کی حدود قیود سے بے نیاز قطعاً نہیں ہونا چاہیے بالخصوص ان امور میں تو انتہائی احتیاط کی ضرورت ہے۔بلکہ احتیاط لازم اور واجب ہے۔

شخصی مسئولیت:

ہر شخص کو اپنے اپنے دائرہ اقتدار واثر میں ذمہ دار ومسئول ٹھرایا گیا ہے۔ کہ وہ اپنی پوری طاقت وقوت اور اثر ورسوخ کے بقدر اپنے حلقہ اثر کو منہیات سے روکنے کی کوشش کرے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

الا کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیتہ.

ارشاد خداوندی ہے کہ

یاٰیھا الذین آمنو قوا انفسکم واھلیکم نارا. (۱۱۱)

اس آیت میں اولا د اہل خانہ اور تمام ماتحت داخل ہیں۔اپنے متعلقین کی مسئولیت خصوصی تبلیغ ودعوت، امر بالمعروف ونہی عن المنکر اور اشاعت علم کو لازم قرار دیا۔اور امت مبعوثہ کو اپنی منصبی ذمہ داری پورا کرنے کے لئے تعلیم وتبلیغ کے فرائض بجالانے کی پرزور تلقین کی گئی ہے۔ مکہ مکرمہ میں صحابہ کرام عموماً انفرادی طور پر اپنے فرائض منصبی کی ادائیگی کیا کرتے تھے۔

مدعو (جسے دعوت دیجائے) اس سے متعلق آداب دعوت:

اس کا حق ہے کہ اس کے پاس جایا جائے اور اس کو دعوت دی جائے اس کی توہین نہ کی جائے اس کی شان ومرتبہ کا لحاظ رکھا جائے۔لہٰذا اگر سابقہ اقوام کا مطالعہ بغور کیا جائے تو یہ سمجھ میں آتا ہے کہ داعی حق کی جب توہین ہوئی ہے۔تو وہ لوگ غضب الٰہی کی پکڑ میں آئے ہیں۔حکمت الٰہی کے لئے بنیادی اور ضروری چیز ہے۔جو انتہائی اہم ہے۔حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔کہ

ادع الی سبیل ربک بالحکمة والموعظة الحسنة(۱۱۲)

حضرت ابراہیمؑ نے اپنی ذریت میں نبوت کی استدعا کی تو اس میں نبی صاحب حکمت کا سوال کیا۔

ربنا وابعث فیھم رسولاً منھم یتلوا علیھم اٰیٰتک

ویعلمهم الکتب والحکمة .(۱۱۳)

حق تعالیٰ نے حضرت خلیل علیہ السلام کی دعا قبول فرمائی اور صاحب کتاب وحکمت اور معلم مبعوث فرما کر باعث امتنان قرار دیا۔

لقد من اللّٰہ علی المؤ منین اذبعث فیهم رسولا

سے لیکر

ویعلمهم الکتب والحکمة اخری آیت تک . (۱۱۴)

اب سوال یہ ہے کہ حکمت کیا ہے؟

یہ اللہ کی ایسی دین ہے جس میں ہر قسم کی خیر خواہی کا پہلو نمایاں ہو

قوله تعالیٰ یؤتی الحکمة من یشاء ومن یؤت الحکمة فقد اوتی خیرا کثیرا(۱۱۵)

ابن قیمؒ نے حکمت کی تعریف کی ہے۔کہ

الحکمة هی فعل ما ینبغی علی وجه الذی ینبغی فی الوقت الذی ینبغی (۱۱۶)

مناسب طریقے سے مناسب وقت میں کرنا حکمت کا مفہوم ہے۔

کسی بھی کام کے پایہ تکمیل تک پہنچنے میں سرمایہ اخلاص کا مقدار وافر ہونا ضروری ہے۔بالخصوص ایک داعی حق جو دعوت کے بہترین ثمرات دیکھنا چاہے۔اور اپنے ہدف تک رسائی کا خواہاں ہو تو اس کے لئے اخلاص لازمی ہے۔اس کا اولین ثمرہ خود داعی کی ذات میں اس طرح ہو کہ وہ خوف ورجاء دونوں کا جامع ہو۔قرآن کریم میں اخلاص کا مطالبہ اس طرح کیا گیا ہے۔

وما أمروا الالیعبدو االلّٰہ مخلصین له الدین (۱۱۷)

اخلاص چونکہ اعمال قلب میں سے اس لیے ان کا مظہر سوائے اس کے کوئی نہیں اپنی عبادت میں خالص ہو جائے۔اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے۔

ولا یشرک بعبادۃ ربہ احداً.(۱۱۸). الاشباہ والنظائر،

میں اخلاص کی تعریف لکھی ہے۔

سر بینک وبین ربک بحیث لا یعلمہ ملک فیکتب ولا شیطان فیفسد ولا ھوی فیمیل(۱۱۹)

داعی کا رب تعالیٰ کے ساتھ تعلق اس طرح مضبوط ہو کہ لحہ بھر بھی اللہ کی یاد سے غافل نہ ہو۔ارشاد ربانی ہے:

الذین یذکرون اللہ قیام وقعودا وعلیٰ جنوبھم (۱۲۰)

فاذ کرونی اذکرکم (۱۲۱) واذکر واللّٰہ ذکراً کثیراً.

اخلاص کے ساتھ احکام شریعت پر کاربند رہنا بہت ضروری ہے۔نبی اکرم ﷺ سے ایک شخص نے اسلام کے متعلق سوال کیا تو آپ ﷺ نے ایک جامع مانع جملہ ارشادفرمایا۔

قل امنت باللّٰہ ثم استقم(۱۲۲)

لہٰذا دعوت وتبلیغ ایمان کے بعد سب سے اہم کام ہے جسے ثابت قدمی کے ساتھ عمل کرنے سے ایمان وعمل کو جلاء ملتی ہے، دعاء ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو اسلام کا داعی بنائے۔(آمین)

حواشی وحوالہ جات

۱۔ سورۃ النحل:۱۲۵

۲۔ المغرب،مکتبۃ البیروت،ج۱ص ۲۸۸

۳۔ المصباح،مکتبہ شرکیہ کوئٹہ،ص۱۸۷،

۴۔ القاموس المحیط،بذیل مادہ

۵۔ المصباح، ج/۱،ص/ ۲۸۸،بذیل مادہ

۶۔ مستلزمات الدعوۃ، عبدالمقیم، مطبوعہ اردو بازار کراچی، ص/۲۱

۷۔ النحل/ آیت ۱۲۰ تا ۱۲۵

۸۔ سورہ نحل، آیت ۱۲۰ تا ۱۲۵

۹۔ سورہ مریم، آیت ۴۲ تا ۴۴

۱۰۔ سورہ الشعراء، آیت ۶۹ تا ۷۳

۱۱۔ سورہ الشعراء، آیت ۷۴

۱۲۔ سورۃ شعراء، آیت ۷۵ تا ۷۸

۱۳۔ مشکوۃ المصابیح، ابو محمد حسین بن مسعود مطبوعہ ایچ ایم سعید کراچی، ج ا، ص ۱۱

۱۴۔ سورہ الانعام/ ۱۰۸

۱۵۔ سورہ بنی اسرائیل/ ۵۳

۱۶۔ سورہ طہ/ ۴۳ تا ۴۴

۱۷۔ سورہ بنی اسرائیل،/ ۱۰۶

۱۸۔ بخاری، محمد بن اسماعیل البخاری، کتاب التھجد

۱۹۔ بخاری، محمد بن اسماعیل البخاری، ج ۲، ص ۷۵۷

۲۰۔ سورہ الانعام/ ۶۸

۲۱۔ البخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، ج/۲، ص/ ۷۵۷

۲۲۔ کذا فی البخاری ۱۰، ۱۲ بمعناہ

۲۳۔ سورہ یوسف۔ ۳۷ تا ۴۱

۲۴۔ سورہ عنکبوت/ ۴۶

۲۵۔ سورہ بقرہ/ ۲۵۸

۲۶۔ سورہ طہ/ ۸۳ تا ۸۵

۲۷۔ سورہ طہ، آیت ۱۱۴

۲۸۔ سورہ الحجر/۸۸

۲۹۔ سورہ عبس/۲

۳۰۔ سورہ الانفال/۲۵

۳۱۔ سورہ توبہ/۱۲۲

۳۲۔ سورہ بقرہ/۱۸۰

۳۳۔ سورہ حج/۷۸

۳۴۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، بخاری کتاب الوضوا/۳۵

۳۵۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، بخاری کتاب للاطعمہ۲/۸۱۰۔ اور صحیح مسلم کتاب الاشربہ

۳۶۔ امام ترمذی، سنن، شمائل ترمذی

۳۷۔ سورہ البقرہ/۱۴۲

۳۸۔ سورہ بقرہ ۲۸۵ تا ۲۸۶

۳۹۔ سورہ الاعراف/۱۴۳

۴۰۔ سورہ ال عمران/۱۸۷، سورہ التوبہ/۱۸۷

۴۱۔ سورہ التوبہ/۳۳

۴۲۔ سورہ بقرۃ/۴۴

۴۳۔ سورہ مائدہ/۶۷

۴۴۔ سورہ احزاب۔۳۹

۴۵۔ سورہ احزاب/۴۸

۴۶۔ سورہ الشوریٰ/۱۵

۴۷۔ سورہ الحجر/۹۴

۴۸۔ سنن ابوداؤد، سلمان بن اشعث

۴۹۔ سورہ النحل/۱۲۵

۵۰۔ صحیح المسلم

۵۱۔ مشکوۃ المصابیح

۵۲۔ بخاری و مسلم

۵۳۔ الزحیلی، الدکتور وھبہ، الدعوۃ والدعوۃ الاسلامیۃ المحاضرہ، مطبوعہ بیروت، ص/ ۲۸

۵۴۔ ایضاً، ص ۲۸

۵۵۔ سورہ اعراف آیت ۱۹۹

۵۶۔ محمد بن یزید سنن ابن ماجہ کتاب الزھد، جلد ۲، ص ۳۱۲

۵۷۔ صحیح مسلم، جلد ۱، ص ۱۵۴

۵۸۔ حدیث نبوی ﷺ

۵۹۔ سورہ زمر، آیت ۱۰

۶۰۔ شوریٰ آیت ۴۳

۶۱۔ سورہ احقاف/ ۳۵

۶۲۔ السجدہ آیت ۲۴

۶۳۔ سورہ لقمان/ ۱۷

۶۴۔ سورہ الانعام، آیت ۳۴

۶۵۔ سورہ قصص/ ۳۴

۶۶۔ سورہ شعراء/ ۱۳

۶۷۔ سورہ زخرف، آیت ۵۲

۶۸۔ سورہ الرحمٰن/ ۱

۶۹۔ سورہ زخرف/ ۱۸

۷۰۔ سورہ احزاب/ ۷۰۔۷۱

۷۔ سورہ انفال/ ۲۹

۷۲۔ صحیح مسلم
۷۳۔ سورہ توبہ/۱۱۹
۷۴۔ مسلم کتاب البر
۷۵۔ سورہ النور/۲۲
۷۶۔ سورہ ال عمران/ ۱۵۹
۷۷۔ سورہ النساء/ ۷۱
۷۸۔ سورہ بقرہ/ ۲۳۵
۷۹۔ سورہ النساء/ ۵۸
۸۰۔ سورہ الاحزاب/۷۲
۸۱۔ سورہ حم السجدہ/ آیت ۳۳ تا ۳۴
۸۲۔ سورہ بقرہ/ ۱۶۵
۸۳۔ سورہ مائدہ/۵۴
۸۴۔ سورہ ال عمران/ ۳۱
۸۵۔ صحیح بخاری
۸۶۔ سورہ التوبہ/۲۴
۸۷۔ سورہ مدثر/۳
۸۸۔ صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ
۸۹۔ سورہ نجم/ ۲۹
۹۰۔ سورہ فرقان/۶۳
۹۱۔ سورہ بنی اسرائیل/۳۴
۹۲۔ محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، احکام مسلم، امارت
۹۳۔ سورہ البقرۃ/ ۱۹۷

۹۴۔ سورہ البقرہ، آیت ۲۲۱
۹۵۔ سورہ المؤمن، آیت ۴۲
۹۶۔ سورہ المؤمن، آیت ۴۱
۹۷۔ سورہ المؤمن، آیت ۴۳
۹۸۔ سورہ النحل، آیت ۱۲۵
۹۹۔ سورہ قصص، ایت ۸۷
۱۰۰۔ سورہ الحج، آیت ۶۷
۱۰۱۔ سورہ یوسف، آیت ۱۰۸
۱۰۲۔ سورہ بقرۃ۔ آیت ۱۴۳
۱۰۳۔ سورہ احزاب آیت ۲۱
۱۰۴۔ سورہ آل عمران۔ آیت ۱۱۰
۱۰۵۔ سورہ توبۃ۔ آیت ۷۱
۱۰۶۔ سورہ ال عمران، آیت ۱۰۴
۱۰۷۔ سورہ توبہ، آیت ۱۲۲
۱۰۸۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان
۱۰۹۔ صحیح مسلم
۱۱۰۔ مسند احمد عن قیس بن حازم
۱۱۱۔ صحیح بخاری ۱۲اص ۳۴۷
۱۱۲۔ سورہ النحل، آیت ۱۲۵
۱۱۳۔ سورہ بقرہ، آیت ۱۲۹
۱۱۴۔ سورہ ال عمران، آیت ۱۶۴
۱۱۵۔ سورہ بقرہ، آیت ۲۶۹

۱۱۶۔ الدعاۃ والدعوۃ، الشیخ سلیمی المصری، مطبوعہ دارالسلام قاہرہ، ص ۸۳

۱۱۷۔ سورہ البینہ، آیت ۵

۱۱۸۔ سورہ کھف، آیت ۱۱۰

۱۱۹۔ حاشیۃ البیر علی الاشباہ

۱۲۰۔ سورہ ال عمران، آیت ۱۹۱

۱۲۱۔ سورہ البقرہ، آیت ۱۵۲

۱۲۲۔ صحیح مسلم کتاب الایمان

مراجع ومصادر

۱. القرآن الکریم.

۲. تفسیر روح المعانی، علامہ شہاب الدین سید محمود آلوسیؒ

۳. تفسیر الکبیر، علامہ علاء الدین رازیؒ

۴. روح البیان، شیخ اسماعیل حقی

۵. تفسیر مظھری، قاضی ثناء اللّٰہ پانی پتی

۶. معارف القران، مفتی محمد شفیعؒ

۷. تفسیر عثمانی، علامہ شبیر احمد عثمانی

۸. بیان القران، حضرت اشرف علی تھانویؒ

۹. احکام القران للجصاص، علامہ ابوبکر جصاص

۱۰. صحیح البخاری، محمد بن اسماعیل البخاری

۱۱. صحیح مسلم، مسلم بن حجاج بن مسلم

۱۲. سنن نسائی، ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیبؒ

۱۳. جامع الترمذی، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ

۱۴. شمائل ترمذی، ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ
۱۵. سنن ابی داؤد، ابوداؤد سلمان بن اشعث سجستانی
۱۶. مشکوۃ المصابیح، ابو محمد حسین بن مسعودؒ
۱۷. الدعوۃ والدعوۃ الاسلامیۃ المحاضرۃ، علامہ وھبۃ الزحیلی
۱۸. الدعوۃ الٰہی واخلاق الدعوۃ، مولانا محمد قاسم ایرانی
۱۹. مسند احمد، احمد بن حنبل
۲۰. مولانا الیاسؒ کی دینی دعوت، علامہ ابوالحسن ندویؒ
۲۱. اصلاح انقلاب امت، مولانا اشرف علی تھانویؒ
۲۲. المصباح ،مولانا عبدالحفیظ بلیاویؒ
۲۳. المغروب، لغۃ العربیہ مملکۃ السعودیۃ
۲۴. اصولِ دعوت حق، مولانا ابوالحسن علی ندویؒ، ص۱۱۸
۲۵. ابن ماجہ ، محمد بن یزید
۲۶. مدونۃ الکبریٰ، عبداللّٰہ بازؒ، ص ۵۷
۲۷. اصول سرخسی، شمس الامۃ سرخسی امام محمدؒ
۲۸. الفقہ الاسلامی وادلتہ، ڈاکٹر وھبۃ الزحیلی جلد/، ص ۱۰
۲۹. ماھنامہ حق نوائے احتشام ، مولانا احتشام الحق تھانویؒ، نومبر ۲۰۰۶ء

✿